اسلام میں زکات کا تصور

مطابق فتاویٰ

آیت اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی

ناشر

زہرا (س) آکادمی، پاکستان

6رجیوانی گارڈن، جے ایم-2/208، عامل کالونی، سولجر بازار نمبر 3، کراچی



شناختِ کتاب

کتاب کا نام-------------اسلام میں زکات اور ربا کا تصور

مطابق فتاویٰ-------------آیۃ اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی

تنظیم وتحریر----------------ڈاکٹر طلعت سیدہ جعفری

کمپوزنگ ---------------------سجاد حسین قائمی

اشاعت اول---------جون ۲۰۱۴ء/شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

ناشر-----------------زہرا (س) آکادمی، پاکستان

تعداد------------------------------ ۱۰۰۰


بسم الله الرحمن الرحیم

زکات کیا ہے؟

زکاۃ (مسلمانوں کی روحانی و مالی عبادت)

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادتوں میں مسلمانوں کی جسمانی و روحانی عبادتوں میں نماز، نیز مالی و روحانی عبادتوں میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت عطا فرمائی ہے۔

مسلمان کی دو بڑی نشانیاں ہیں جن کے سبب وہ عملی طور پر دوسرے ادیان و مذاہب کے پیروکاروں سے نمایاں نظر آتا اور مسلمان کہلاتا ہے اور وہ ہیں:

☆ نماز

اور؛

☆ زکوٰۃ

قرآن حکیم میں کم سے کم ۳۰ر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد رب العزت ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [1]

نماز قائم کرو (اس طرح ادا کرو کہ لوگ تم کو دیکھ کر نماز پڑھنا شروع کردیں) اور زکوٰۃ بھی مسلسل ادا کرتے رہو۔

کیونکہ،

تم جو کچھ اللہ تعالیٰ کے حضور نذر کرو گے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس
اس کا اجر ضرور حاصل کرو گے۔
اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال پر بھر پور نظر رکھتا ہے۔

زکوٰۃ کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کتاب الکافی میں" الفروع" کی" کتاب الزکوٰۃ" کے پہلے باب "باب فرض الزکاۃ و ما یجب فی المال من الحقوق" کے ذیل میں، طبع الامیرۃ، بیروت: ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ ج:۳،ص:۲۵۹۔۲۶۲ پر یہ
حدیث نقل فرمائی ہے:

۱۹۲۳۔ وَ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ وَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع أَنَّهُمَا قَالَا الْمَحْرُومُ الرَّجُلُ الَّذِي لَيْسَ بِعَقْلِهِ بَأْسٌ وَلَمْ يُبْسَطْ لَهُ فِي الرِّزْقِ وَهُوَ مُحَارَفٌ.

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا:
کتنے مال پر زکوٰۃ واجب ہے؟
امام علیہ السلام نے سائل سے پوچھا:
تمہارا سوال ظاہری زکوٰۃ کے بارے میں ہے یا باطنی زکوٰۃ کے بارے میں؟
عرض کی دونوں کے بارے میں۔
امام علیہ السلام نے فرمایا:
ظاہری زکوٰۃ:
ہر ہزار (۱۰۰۰) میں پچیس (۲۵)۔

باطنی یا واقعی زکوٰۃ:

جب بھی کسی ایسے انسان کو دیکھو جسے کسی چیز کی تم سے زیادہ ضرورت ہو، تو اپنی ضرورت کی قربانی دے کر اس کی ضرورت پوری کرو۔

قرآن حکیم میں زکوٰۃ کی اصطلاح ان تمام مالی واجبات کے لئے استعمال ہوئی ہے، جو قرآن حکیم میں مسلمانوں کے اموال پر مختلف ناموں سے واجب قرار دیئے گئے ہیں۔

قرآن حکیم میں ان مالی واجبات کو:

﴿۱﴾ صدقہ......یعنی زکوٰۃ اور زکوٰۃ فطر۔

﴿۲﴾ خمس

﴿۳﴾ انفال

﴿۴﴾ فیئ

کے ناموں سے پہچنوایا گیا ہے۔

صدقہ

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۖ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ[1]

تم ان لوگوں کے اموال میں سے صدقہ لے کر ان کے اموال اور نفوس کو پاکیزہ بنادو۔

اس کے ساتھ ہی تم مسلسل ان کے لئے نمازیں پڑھو اور دعائیں کرتے رہو۔تمہاری یہ نمازیں اور دعائیں ان کے لئے پریشانیوں سے نجات

[1] سورۂ توبہ:۹۔آیت ۱۰۳

اور سکون قلب و ذہن کا سبب بنیں گی۔

اللہ (ایمان، سکون و رزق میں) وسعت عطا فرمانے والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تاریخ اور موثق روایات ہمیں بتاتی ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے ذیل میں مسلمانوں پر سب سے پہلے:

﴿الف﴾ فطرہ:

جو صدقہ فطر یا زکوٰۃ فطر کہلاتا ہے۔

﴿ب﴾ نصابی زکوٰۃ:

۹ چیزوں میں معین نصاب پر معین صدقات واجب قرار دیئے۔

﴿ج﴾ تجارت میں لگے ہوئے رأس المال پر زکوٰۃ:

رأس المال یا تجارت میں لگے ہوئے سرمایہ اور چیزوں پر زکوٰۃ۔

زکات کی ان سب قسموں کو صدقہ واجب یا زکوٰۃ یا زکوٰۃ نصابی یا عُشر و لگان بھی کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زکوٰۃ فطر اور زکوٰۃ مال کے لئے "صدقہ" کا لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ صاحب کنز العمال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ:

لا یحل لکم اهل البیت من الصدقات شیء ولا غسالة الایدی۔ ان لکم فی خمس الخمس مما یغنیکم ویکفیکم [1]

---

[1] علامہ ہندی، علی متقی بن حسام الدین: کنز العمال: ط: بیت الافکا الدولیہ: ریاض و امریکہ: ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء: ج: ۱: ص: ۶۳۴: الزکاۃ: باب المصرف: ح: ۱۶۵۳۰

اے میرے اہل بیت!

تم پر صدقات میں سے کوئی چیز حلال نہیں ہے۔ نہ ہی لوگوں کے ہاتھوں کا دھوون حلال ہے۔ تمہارے لئے خمس ہے جو تمہیں بے نیاز کردے گا اور تمہارے لئے کافی ہوگا۔

خمس

اس کے علاوہ قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔[1]

جان لو!

بے شک تم جو کچھ بھی نفع کماتے ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول واہلبیت رسول علیہم السلام، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ تم اللہ عز وجل

اور......

اللہ عز وجل کی اس غیبی مدد کے نزول پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر **یوم الفرقان** اور **یوم التقی الجمعان** یعنی جنگ بدر کے موقع پر نازل فرمائی تھی۔ اللہ عز وجل ہر شئی پر قدرت رکھتا ہے۔

[1] سورۂ انفال: ۸:۴۱

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو خمس نکالنے کا حکم دیا۔اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبیلوں اور ملکوں کے سربراہوں کو بہت سے احکامات وفرامین تحریری طور پر خمس کے وجوب اور اس کی ادائیگی کے سلسلہ میں تحریر فرمائے جن میں سے کم از کم ۱۲ فرامینِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن اثیر کی الُاسدُ الغابہ، ابن حجر کی الاصابہ،ابو عبید القاسم کی الاموال،بلاذری کی فتوح البلدان نیز کنزالعمال جیسی مستند کتابوں میں موجود ومحفوظ ہیں۔جس میں سے ایک کو ہم نمونہ کے طور پر نقل کر رہے ہیں:

من محمد النبی للفجیع ومن تبعه واسلم و اقام الصلوٰة وأتی الزکوٰة و اطاع الله ورسوله و اعطی من المغانم خمس الله[1].

محمد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے فُجیع اور ان کے ساتھیوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اسلام لائے،نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں،اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں اور مغانم وفوائد میں اللہ کے لئے خمس نکالتے ہیں۔

مسلمانوں کے نامور اور معتمد محدث امام بخاری نے اپنی کتاب الجامع الصحیح "کتاب الایمان" میں "باب اداء الخمس من الایمان" حدیث نمبر ۵۳ میں یہ حدیث نقل کی ہے:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الجَعْدِ، قَالَ أَخْبَرَنَا شُعبَةُ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، قَالَ: كُنْتُ أَقعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ، يُجْلِسُنِی عَلَى سَرِيرِهِ، فَقَالَ أَقِم عِندِی حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْماً مِنْ مَالِيْ، فَأَقَمتُ مَعَهُ شَهرَينِ، ثُمَّ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا ص رضی اللہ عنہما قَالَ: ((مِنَ الْقَوْمِ أَوْ مِنَ الْوَفْدِ؟۔)) قَالُوْا: رَبِيْعَةُ۔ قَالَ: ((مَرْحَبًا

---

[1] ابن سعد: محمد ابن سعد: الطبقات الکبری: دار بیروت: لبنان: ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۸ء: ج: ۱: ص: ۳۰۴ و ۳۰۵: ذکر وفادات العرب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وفد بنی البکاء۔

بِالْقَوْمِ۔ أوبالوفدِ۔ غيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى)) فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ (ص)، إِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ أَنْ نأتِيكَ إِلَّا فِي الشَّهرِ الحَرَامِ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الحَيُّ مِن كُفَّارِ مُضَرَ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ، نُخْبِرَ بِهِ مَنْ وَرَائَنَا، وَنَدخُل بِهِ الْجَنَّةَ وَسَأَلُوهُ عَنِ الأَشْرِبَةِ،فأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ، وَنَهَاهُمْ عَن أَربَعٍ: أَمَرَهُمْ بِالإِيْمَانِ بِاللهِ وَحدَه،

قَالَ:((أَتَدْرُونَ مَا الإِيْمَانُ بِاللهِ وَحدَه؟)) قَالوا اللهُ وَرَسُولُه أَعلمُ، قَالَ: ((شهَادَةُ أَنْ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامُ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُعْطوا مِنَ الَمغْنَمِ الخُمُسَ)) وَنَهَاهُم عَن أَرْبَعٍ:((عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُبَّاء، وَالنَّقِيْرِ وَالْمُزَفَّتِ))۔ وَرُبَّمَا قَالَ: الْمُقَيَّرِ۔ وَقَالَ: ((احفَظُوهنَّ، وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَائكُم))[1]

علی بن جعد نے ہم سے حدیث بیان فرماتے ہوئے کہا:

ہمیں شعبہ نے ابی حمزہ کے ذریعہ خبر دی کہ انہوں نے کہا:

میں ابن عباس کے پاس بیٹھا، انہوں نے مجھے اپنے تخت / پلنگ پر بٹھایا، مجھ سے کہا:

تم میرے پاس ہی ٹھیر جاؤ۔ میں اپنے مال میں سے تمہیں بھی کچھ حصّہ دوں گا۔

میں دو مہینہ تک ان کے پاس ٹھہرا۔ انہی دنوں ابن عباس نے مجھے بتا

[1] بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح (صحیح البخاری): دار القلم، بیروت: ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء: ج:۱: ص:۵۲: باب:۴۱: باب اداء الخمس من الایمان۔

یا:

عبدالقیس کا ایک وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

کسی قوم میں سے ہو یا وفد بن کر آئے ہو؟

انہوں نے عرض کی:

ربیعہ......

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خوش آمدید!

اے قوم/اے وفد!

خداوند عالم تمہیں ذلت وندامت سے محفوظ رکھے!

انہوں نے عرض کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف محترم مہینوں ہی میں آسکتے ہیں۔

کیونکہ،

ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں "مُضر" کے کفار کا ایک محلہ ہے، اس لئے براہ کرم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسا فیصلہ کن حکم فرمائیں جسے ہم اپنے بعد میں آنے والوں کو بھی بتائیں اور اس کے ذریعہ ہم جنت بھی حاصل کرلیں۔

نیز،

انہوں نے مشروبات کے بارے میں بھی پوچھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔

آنحضرتﷺ نے چار چیزوں کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

یکتا و یگانہ...... اللہ پر ایمان لاؤ۔

آپؐ نے پوچھا:

تم جانتے ہو یکتا و یگانہ اللہ پر ایمان کے کیا معانی ہیں۔

انہوں نے عرض کی:

اللہ اور اس کے رسولﷺ ہی بہتر جانتے ہیں!

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

یہ گواہی دینا کہ:

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں

اور......

محمدﷺ، اللہ کے رسولؐ ہیں۔

پھر فرمایا:

﴿۱﴾ نماز قائم کرو۔

﴿۲﴾ زکاۃ ادا کرو۔

﴿۳﴾ ماہ رمضان کے روزے رکھو۔

﴿۴﴾ اپنی آمدنی میں سے خمس ادا کرو۔

چار چیزوں سے منع فرمایا:

﴿۱﴾ حَنْتَم (سبز لاکھی برتن)

﴿۲﴾ دُبَاء (کدو کا تونبا)

﴿۳﴾ نقیر

﴿۴﴾ مزقت / مقیر (لکڑی کے کھدائی کیے ہوئے برتن)

اس زمانہ میں برتنوں کی یہ سب قسمیں شراب پینے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔

اگر چہ اس روایت میں ہے کہ چار چیزوں کا حکم دیا مگر حکم پانچ چیزوں کا دیا گیا ہے۔

بہر حال اس روایت کو بخاری نے اپنی کتاب میں الفاظ کے کچھ اختلاف، مختلف سندوں کے ذریعہ مختلف ابواب میں حدیث نمبر ۸۷ و ۵۲۳ و ۱۳۹۸ و ۳۰۹۵ و ۳۵۱ و ۴۳۶۸ و ۴۳۶۹ و ۶۱۷۶ و ۷۲۶۶ و ۷۵۵۶ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ تمام روایات میں "ان تعطوا من المغنم الخمس" کا جملہ مشترک ہے۔

اسی لئے جب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"هو والله الإفادة يوماً بيوم"[۱]

''اللہ عز وجل کی قسم اس سے مراد روزانہ کی آمدنی سے ہونے والا فائدہ (بچت) ہے۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا:

عَلٰى كُلِّ امْرَىءٍ غَنِمَ اَوِ اكْتَسَبَ خُمُسٌ[۲]

''ہر وہ انسان جس کو کوئی فائدہ پہنچے یا کچھ کمائے، اس پر خمس واجب ہے۔''

علامہ طریحی نے اپنی لغت مجمع البحرین میں خمس غنائم کے بارے میں "غنم" کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اَلْغَنِيمَةُ فی الأصل هی الفائدة المكتسبة[۳].

بنیادی طور پر غنیمت کے معانی محنت مزدوری کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا فائدہ ہے۔

حضرت ابو حنفیہ کے شاگرد رشید ابو یوسف نے جن کا مقبرہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضہ اقدس کے احاطہ میں ہے فتویٰ دیا ہے:

---

[۱] طوسی: شیخ ابو جعفر محمد بن حسن: تہذیب الاحکام: ط: الامیرۃ، بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء: ج: ۳: ص: ۲۶۷: ۱۰۹۔ باب الخمس والغنائم: ح: ۴۵۳۲

[۲] طوسی: شیخ ابو جعفر محمد بن حسن: تہذیب الاحکام: ط: الامیرۃ: بیروت: ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء: باب الخمس والغنائم: ح: ۴۵۳۶۔

[۳] طریحی، شیخ فخر الدین: مجمع البحرین: ط: المکتبۃ المرتضویۃ، تہران: ط: ثانی: ۱۳۹۵ھ: باب المیم واولہ الغین: غنم: ج: ۶: ص: ۱۲۹۔

فی کل ما اصیب من المعادن قلیل او کثیر الخمس،ولو ان رجلا اصاب شئی من المعدن اقل من وزن مائتی درھم فضه او من وزن عشرین مثقالا ذھبا فیه الخمس۔[1]

انسان کو معادن سے کم ملے یا زیادہ اس پر خمس ہے۔ چاہے انسان کو ۲۰۰ درہم چاندی یا ۲۰ مثقال سونے سے کم ہی کیوں نہ ملے اس پر خمس ہے۔

انفال

ارشاد رب العزت ہے:

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔[2]

یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں۔
ان سے کہئے کہ
انفال اللہ عز وجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔

انفال اور فیئے ان اموال کو کہا جاتا ہے جو:

﴿۱﴾ جو مال دشمنان اسلام سے جنگ کے بغیر ان کے چھوڑے جانے کے سبب حاصل ہو۔

﴿۲﴾ لا وارث انسان کا ترکہ

﴿۳﴾ زمین اموات،یعنی،جنگل میدان، پہاڑ وغیرہ

---

[1] ابو یوسف؛ قاضی یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری الکوفی: کتاب الخراج: ط: دار المعرفة للطباعة و النشر بیروت: ۱۳۹۹ھ /۱۹۷۹ء: ج:۱ ص:۲۱ باب فی قسمة الغنائم۔

[2] سورہ انفال:۸:۱

یہ مختصر وضاحت اس لئے ضروری تھی کہ یہ غلط فہمی دور کی جائے کہ خمس و زکوٰۃ و انفال الگ عنوان ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ فقہی احکام کے لحاظ سے ان کو ان عنوانوں کے ذیل میں تقسیم کیا گیا ہے۔

لیکن...... قرآن حکیم کی اصطلاح میں "زکاۃ" کا لفظ تمام مالی واجبات یعنی خمس، صدقہ فطر، صدقہ نصاب، خمس اور انفال پر لاگو ہوتا ہے۔

عام طور سے ہم لوگ جس مال واجب کو زکاۃ کہتے ہیں وہ قرآنی اصطلاح میں "صدقہ" ہے۔

اسی طرح "زکاۃ فطر" بھی قرآن کے الفاظ میں "صدقہ" ہی کہلاتا ہے۔

واجب صدقہ یا زکاۃ

زکاۃ جسے قرآن حکیم نے صدقہ کا نام دیا ہے، اسلام کے اہم مالی واجبات میں سے ہے۔ اس کے ادا نہ کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔

زکاۃ کی چند قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ زکاۃ فطر

﴿۲﴾ زکاۃ نصابی

﴿۳﴾ زکاۃ مال تجارت

قرآن حکیم نے زکاۃ فطر، زکاۃ نصابی اور زکاۃ مال تجارت کو "صدقہ" کے کلمہ سے یاد کیا ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، رسولؐ و آل رسول علیہم السلام پر اس زکاۃ کی حرمت کے لیے ارشاد فرمایا ہے:

یَا اَبَا رَافِع...!

اَنَّ الصَّدَقَةَ حَرَامٌ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَ إِنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ.[1]

اے ابو رافع......!

صدقہ (زکواۃ واجب) محمد و آل محمد علیہم السلام پر حرام ہے۔

بے شک......! مسلمانوں کا حاکم اور امام، آل محمد علیہم السلام ہی میں سے ہے۔

---

[1] علامہ ہندی؛ علی متقی بن حسام الدین: کنز العمال: ط: بیت الافکا الدولیہ: ریاض و امریکہ: ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء: ج: ۱: ص: ۶۳۴: الزکاۃ: باب المصرف: ح: ۱۶۵۳۱

﴿الف﴾ زکاۃ فطر:

زکاۃ فطر ماہ رمضان کے تیس روزے مکمل کرنے کے شکرانہ کے طور پر مسلمان پر واجب ہے۔

اس کی مقدار ایک صاع (۴ مُد) یعنی 2.729 کیلوگرام کے برابر طعام یعنی گندم، جو، چاول یا خرما ہے۔

زکاۃ فطر کی ادائیگی ہر اس مکلف پر واجب ہے۔ جو شب عید فطر بالغ ہو جائے۔

ہر مکلف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اور ان تمام افراد کی جانب سے زکاۃ فطر ادا کرے جو اس کی کفالت میں ہوں۔ جن کا نان ونفقہ یعنی کھانا پینا اور رہائش وغیرہ اس کے ذمہ ہو۔ خواہ وہ ایسا بچہ ہو جو ماہِ رمضان کی آخری تاریخ یعنی شب عید کے غروب آفتاب سے پہلے پیدا ہوا ہو۔

عام مہمان، یعنی روز مرّہ کھانے کی دعوت پر آنے والے مہمانوں کا فطرہ خود ان ہی پر واجب ہے۔ میزبان پر واجب نہیں ہے۔

مہمان کا فطرہ صرف اس صورت میں میزبان پر واجب ہے جب وہ عرف میں میزبان کے اہل وعیال میں شمار ہوتا ہو۔ یعنی اس کا نان ونفقہ اور رہائش وغیرہ میزبان کے ذمہ ہو۔

جو مہمان کسی میزبان کی کفالت میں ہو وہ اگر اپنا فطرہ خود نکالنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ میزبان کی طرف سے نیت کر کے نکالے۔ اس صورت میں میزبان پر سے اس کے فطرہ کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی۔

زکاۃ فطر کے لیے ضروری ہے کہ عمومی خوراک کی جنس یعنی گیہوں، چاول، گوشت وغیرہ سے ہو۔ لیکن ان چیزوں کے بجائے ان کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

زکاۃ فطر مومنین میں سے فقراء کو دی جانا چاہیے۔ خاص طور سے عزیز و اقربا اور ہمسایہ وغیرہ کو۔ زکاۃ فطر جن لوگوں کو دی جائے ان کے لیے واضح ہونا چاہیے کہ وہ اسے حرام میں خرچ نہیں

کریں گے۔

ایک شخص کو کئی اشخاص کا فطرہ دیا جاسکتا ہے۔

زکاۃ فطر ان لوگوں کو نہیں دیا جاسکتا جو خود فطرہ نکالنے والے کی کفالت میں ہوں۔

زکاۃ فطر کے لیے ضروری ہے کہ عید کے دن نماز ظہر سے پہلے نکال دیا جائے۔

اسی طرح فطرہ عید کے دن نماز ظہر سے پہلے مستحق افراد تک پہنچانا بھی ضروری ہے۔

اگر زیادہ مستحق افراد کی تلاش کے سلسلہ میں دیر کے سبب ادائیگی میں تاخیر یا دیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ دیر خواہ کتنی ہی طولانی کیوں نہ ہو۔

فطرہ نکال دینے کے بعد اگر جنس کو پیسے میں تبدیل کر دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿ب﴾ زکاۃ نصابی:

زکاۃ نصابی:

﴿۱﴾ ہر مسلمان پر واجب نہیں۔

﴿۲﴾ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہوں۔

﴿۳﴾ ہر چیز پر واجب نہیں۔ صرف نو چیزوں پر اس وقت واجب ہے جب وہ نصاب کی حد تک پہنچ جائیں۔

﴿۴﴾ یہ نو چیزیں اور ان کا نصاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معین فرما کر حد قائم کر دی ہے۔

﴿۵﴾ کسی کو حق نہیں ہے کہ ان کی تعداد یا نصاب میں رد و بدل کرے۔

زکاۃ کا تعلق انسان کے ذمہ سے ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ زکاۃ کا تعلق فقط مال سے ہے کہ اگر زکاۃ واجب ہونے کے بعد ادا کرنے سے پہلے مال ضائع ہو جائے تو زکاۃ معاف ہو جائے گی۔ بلکہ جب کسی پر زکاۃ واجب ہو چکی ہو اور کسی سبب سے اس نے زکاۃ ادا نہ کی ہو۔ پھر مال

ضائع ہو جائے۔ تب بھی اسے زکاۃ ادا کرنا ہوگی۔

یہاں ہم ان نو چیزوں کے نام اور ان کے نصاب کی تفصیل بیان کریں گے۔

اشیاءِ نُہ گانہ

جن نو (۹) چیزوں پر زکاۃ واجب ہے، ان کے نام یہ ہیں:

﴿۱﴾ ________ سونا

﴿۲﴾ ________ چاندی

﴿۳﴾ ________ گندم

﴿۴﴾ ________ جَو

﴿۵﴾ ________ خرما

﴿۶﴾ ________ منقیٰ

﴿۷﴾ ________ بھیڑ، بکری

﴿۸﴾ ________ گائے

﴿۹﴾ ________ اونٹ

نصاب

ان نو چیزوں پر زکوٰۃ کے وجوب کے شرائط اور نصاب الگ الگ ہیں:

(۱و۲) سونا اور چاندی:

شرطیں:

سونے اور چاندی پر زکوٰۃ کی شرطیں درج ذیل ہیں:

﴿۱﴾ سونا یا چاندی رائج الوقت سکہ کی شکل میں ہو۔

﴿۲﴾ بازار میں ان سکوں سے خرید وفروخت رائج ہو۔

﴿۳﴾ ان سکوں کا وزن معین نصاب کے مطابق ہو۔

﴿۴﴾ نصاب بھر کے سکے سال بھر تک ایک ہی حالت میں محفوظ رہیں۔ زیور کے طور پر استعمال نہ ہوں۔ نہ ہی قرض دیئے جائیں۔ نہ کم ہوں۔ بدلے، بیچے اور خریدے نہ جائیں۔ نہ تحفہ یا ہدیہ کے طور پر دیئے جائیں۔ سال سے مراد چاند کے گیارہ مہینوں کا مکمل ہو کر بارہویں مہینہ کا شروع ہے۔ یعنی اگر یہ سکے گیارہ مہینے تک ایک ہی حالت میں رہیں تو بارہویں مہینے کے آغاز پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ لیکن، نئے سال کا آغاز بارہویں مہینے کی تکمیل کے بعد ہوگا۔

سونے کا نصاب:

سونے کے دو نصاب ہیں:

﴿۱﴾ سونے کے رائج الوقت سکہ کا پہلا نصاب یہ ہے کہ:

ان کا مجموعی وزن 20 مثقال شرعی یعنی 66.8 گرام ہو (آج کل کے اوزان کے مطابق مثقال شرعی تقریباً 3.304 کے برابر ہے)۔

﴿۲﴾ سونے کے رائج الوقت سکہ کا دوسرا نصاب:

چار مثقال شرعی یعنی 13.216 گرام ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب 20 مثقال یعنی 66.8 گرام پر مزید چار مثقال یعنی 13.216 رام کا اضافہ ہوتو 24/مثقال یعنی 79.296 گرام پر زکوٰۃ ہے۔ اگر 23.75 مثقال یا اس سے کم ہوتو فقط 20 مثقال یعنی 66.8 گرام پر زکوٰۃ ہے۔ باقی پر نہیں ہے۔ اسی طرح چار چار مثقال یعنی ہر 13.216 گرام کے اضافہ پر زکوٰۃ ہوگی اس سے کم اضافہ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

مثلاً: 24,28,32,36,40,44 مثقال پر زکوٰۃ ہوگی لیکن اگر وزن 23، 27، 31، 35,39 یا 3 4 مثقال ہوتو 20 24,28,32,36,40,مثقال پر زکوٰۃ ہوگی، زائد 3/مثقال پر زکوٰۃ نہیں ہوگی،

چاندی کا نصاب:

چاندی کے بھی دو نصاب ہیں:

﴿۱﴾ چاندی کے رائج الوقت سکوں کا پہلا نصاب یہ ہے کہ:

ان کا مجموعی وزن 105 مثقال شرعی یعنی 347.13 گرام ہو۔

﴿۲﴾ چاندی کے رائج الوقت سکوں کا دوسرا نصاب:

21 رمثقال شرعی یعنی 69.38 گرام ہو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چاندی کے رائج الوقت سکوں کا وزن 105 سے بڑھ کر 126، 147، 168، 189، 210 مثقال۔۔۔ ہو جائے اور اس کا مکمل وزن 105 سے بڑھ کر 125، 146، 167، 188 یا 209 ہو تو اس سے پہلے والے مکمل وزن یعنی 105، 126، 147، 168، 189 پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور باقی 20 رمثقال پر معاف ہوگی۔

زکاۃ کی مقدار:

سونے اور چاندی کے متداول سکوں پر زکوٰۃ کی مقدار چالیسواں حصہ ڈھائی فیصد یعنی 5.2 فیصد ہے۔

(۳تا۶) گندم، جو، خرما، منقیٰ

شرطیں:

﴿۱﴾ ان چار چیزوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کی فصل پک کر کٹے۔یعنی پکی ہوئی گندم، جو، خرما اور منقیٰ اگر سال بھر تک محفوظ رہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

﴿۲﴾ فصل پکنے اور کٹنے کے وقت جس شخص کی ملکیت میں ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ جو فصل کاٹ رہا یا پھل اتار رہا ہو اس نے فصل بوئی یا پھل اگائے بھی ہوں۔ اگر اس نے لگی ہوئی فصل خریدی ہو اور اب کاٹ رہا ہے، تو نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ دے۔

﴿۳﴾ فصل کٹنے یا پھل اتارنے اور فصل پر آنے والے اخراجات اس کے کل وزن سے

نکالنے کے بعد، ان کا وزن معین نصاب کے برابر ہو۔

نصاب:

گندم، جو، خرما اور منقیٰ کا نصاب 850 کیلوگرام ہے۔

زکاۃ کی مقدار:

ان چاروں چیزوں پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین پانی کے استعمال کی نوعیت کے مطابق ہے۔

﴿الف﴾: بارانی یا نہری:

جو زمین بارشوں، نہر یا چشمہ یعنی قدرتی پانی سے سیراب ہو اس پر پکنے والی فصلوں یا پھلوں کی زکوٰۃ نصاب کا دسواں حصہ، 10٪ (۱۰ فیصد) یعنی 85 کیلو ہوگی۔

﴿ب﴾: کنویں، ٹیوب ویل یا کاریز:

جو زمین انسانی وسائل یعنی کنویں، ٹیوب ویل یا کاریز وغیرہ سے سیراب ہو، اس پر اگنے والی فصلوں یا پھلوں کی زکوٰۃ نصاب کا پانچواں حصہ، 5٪ (۵ فیصد) یعنی ساڑھے بیالیس 42.5 کیلو ہوگی۔

(۷ تا ۹) بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ

شرطیں:

﴿۱﴾ یہ جانور اپنے اپنے معین نصاب کے برابر ہوں۔

﴿۲﴾ یہ جانور نصاب کے برابر اپنے مالک کے پاس سال بھر یعنی پورے گیارہ مہینے رہیں۔

﴿۳﴾ سال بھر ان جنگلوں اور چراگاہوں سے چریں جو قدرتی ہوں۔ جن پر چرانے کی قیمت یا اجرت مالک کو نہ دینا پڑے۔

﴿۴﴾ پورے سال یا اس کا بیشتر حصہ مالک کی خریدی ہوئی گھاس یا چارہ پر نہ پلیں۔

نصاب

بھیڑ اور بکری کا نصاب اور مقدار:

بھیڑ، بکری کے ۵/نصاب ہیں۔

یہ نصاب اور ان پر زکوٰۃ کی مقدار درج ذیل ہے:

	نصاب	تعداد	مقدار
﴿۱﴾	پہلا نصاب	۴۰/عدد	ایک بھیڑ یا بکری
﴿۲﴾	دوسرا نصاب	۱۲۱/عدد	دو بھیڑیں یا بکریاں
﴿۳﴾	تیسرا نصاب	۲۰۱/عدد	تین بھیڑیں یا بکریاں
﴿۴﴾	چوتھا نصاب	۳۰۱/عدد	چار بھیڑیں یا بکریاں
﴿۵﴾	پانچواں نصاب	۴۰۰ اور اس سے زیادہ	جب بھیڑ یا بکریوں کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچ جائے تو ہر سو بھیڑوں بکریوں پر ایک بھیڑ یا بکری کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے گی۔

زکاۃ کی شرطیں:

﴿۱﴾ جانور سال بھر بے کار رہا ہو۔ اس سے کوئی کام نہ لیا گیا ہو۔ یعنی اس پر سواری نہ کی گئی ہو، ہل یا بیل گاڑی میں جوتا نہ گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔
جن جانوروں سے سال کے کسی حصہ میں کام لیا جاتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

﴿۲﴾ جانور سال بھر جنگل بیابان، پہاڑوں وغیرہ یعنی قدرتی چراگاہوں میں چرے۔ جو جانور مالک کے خرچہ پر پلیں، ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

نصاب

﴿الف﴾: گائے کا نصاب:

گائے کے دو نصاب ہیں:

﴿۱﴾ پہلا نصاب:

گائے کے پہلے نصاب کی تعداد تیس ہے۔

﴿۲﴾ دوسرا نصاب:

گائے کے دوسرے نصاب کی تعداد چالیس ہے۔

دوسرے نصاب کے بعد جب جانوروں کی تعداد اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ کسی ایک نصاب کی تعداد پر تقسیم ہوسکتے ہوں تو ان کی تعداد کو پہلے یا دوسرے نصاب کی تعداد پر تقسیم کرکے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حساب کیا جائے گا۔

مثلاً اگر تعداد ۶۰ / یا ۶۵ ہے تو ۳۰ پر تقسیم کرکے ۲ / گروہوں سے

اگر تعداد ۸۰ یا ۸۵ ہے تو ۴۰ پر تقسیم کرکے ۲ / گروہوں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

اسی طرح اگر تعداد ۱۰۰ یا ۱۰۵ ہے تو ۳۰ پر تقسیم کرکے ۳ / گروہوں سے

اور اگر تعداد ۱۳۰ یا ۱۳۵ ہے تو ۴۰ پر تقسیم کرکے ۳ / گروہوں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

مقدار:

پہلے نصاب پر زکوٰۃ ایک ایسی بچھیا ہے جو دوسرے سال میں داخل ہوچکی ہو۔

دوسرے نصاب پر زکوٰۃ ایک ایسی بچھیا ہے جو تیسرے سال میں داخل ہوچکی ہو۔

جب جانوروں کی تعداد دونوں نصابوں سے بڑھ جائے اور ان کی زکوٰۃ نکالنے کے لیے

انہیں پہلے یا دوسرے نصاب کی تعداد پر تقسیم کر کے گروہوں کی زکوٰۃ نکالی جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی اسی نصاب کے مطابق ہوگی جس کے مطابق گروہ بندی کی گئی ہے مثلاً اگر ۳۰، ۳۰ کے دو، تین یا چار گروہ ہوتے ہیں تو دو، تین یا چار بچھیاں یا اگر ۴۰، ۴۰ کے دو، تین یا چار گروہ ہوتے ہیں تو دو، تین یا چار بچھیاں زکوٰۃ کے طور پر دی جائیں گی۔

﴿ب﴾: اونٹ کا نصاب:

اونٹ کے نصاب ۱۲ ہیں۔ ان کی تعداد اور مقدار درج ذیل ہے:

	نصاب	تعداد	مقدار
﴿۱﴾	پہلا نصاب	۵ / اونٹ	ایک بھیڑ
﴿۲﴾	دوسرا نصاب	۱۰ / اونٹ	دو بھیڑیں
﴿۳﴾	تیسرا نصاب	۱۵ / اونٹ	تین بھیڑیں
﴿۴﴾	چوتھا نصاب	۲۰ / اونٹ	چار بھیڑیں
﴿۵﴾	پانچواں نصاب	۲۵ / اونٹ	پانچ بھیڑیں
﴿۶﴾	چھٹا نصاب	۲۶ / اونٹ	"بنت مخاض" یعنی اونٹ کی بچھیا جو دوسرے سال میں داخل ہوچکی ہو۔
﴿۷﴾	ساتواں نصاب	۳۶ / اونٹ	"بنت لبون" یعنی اونٹ کی بچھیا جو تیسرے سال میں داخل ہوچکی ہو۔
﴿۸﴾	آٹھواں نصاب	۴۶ / اونٹ	"حقّۃ" یعنی اونٹ کی بچھیا جو چوتھے سال میں داخل ہوچکی ہو۔
﴿۹﴾	نواں نصاب	۶۱ / اونٹ	"جذعۃ" یعنی ایسی اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہوچکی ہو۔

﴿۱۰﴾	دسواں نصاب	۷۶/اونٹ	"دو بنت لبون" یعنی اونٹ کی دو ایسی بچھیاں جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں۔
﴿۱۱﴾	گیارہواں نصاب	۹۱/اونٹ	"دو حقّہ" یعنی اونٹ کی دو ایسی بچھیاں جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہوں۔
﴿۱۲﴾	بارہواں نصاب	۱۲۱/اونٹ جب اونٹوں کی تعداد ۹۱ سے آگے بڑھے تو جب تک ۱۲۱ تک نہ پہنچے گیارہویں نصاب کے مطابق زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ تعداد کے ۱۲۱ تک پہنچ جانے یا اس سے زیادہ ہو جانے پر چالیس، چالیس اور پچاس پچاس کے گروہ بنا کر ان گروہوں کی تعداد کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔مثلاً اگر تعداد ۱۲۱ ہوتو چالیس چالیس کے تین گروہ بنیں گے۔اگر ۱۴۰ ہو تو دو گروہ پچاس پچاس کے اور ایک ۴۰ کا بنے گا۔	۴۰ کے ہر گروہ پر ایک "بنت لبون" یعنی اونٹ کی ایک ایسی بچھیا جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ ۵۰ کے ہر گروہ پر ایک "حقّہ" یعنی اونٹ کی ایک ایسی بچھیا جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو۔

﴿ج﴾ زکاۃ مال تجارت:

ثقۃ الاسلام کلینی نے "الکافی" میں "الفروع" کی "کتاب الزکوۃ" کے "باب: ما یستفید الرجل المال بعد ان یزکی ما عندہ من المال" طبع:
الامیرۃ، بیروت، ۲۰۰۸ء=۱۴۲۹ھ، ج: ۳، ص: ۲۷۶ پر یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

۲۰۲۷۔ عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مَرَّارٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ رَزِينٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ أَنَّهُ قَالَ كُلُّ مَالٍ عَمِلْتَ بِهِ فَعَلَيْكَ فِيهِ الزَّكَاةُ إِذَا حَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ قَالَ يُونُسُ تَفْسِيرُ ذَلِكَ أَنَّهُ كُلُّ مَا عُمِلَ لِلتِّجَارَةِ مِنْ حَيَوَانٍ وَ غَيْرِهِ فَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةُ.

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جو چیز تمہارے لئے آمدنی کا سبب بنے، اس سے زکوۃ نکالو،

جو چیز تمہیں وراثت یا ہبہ اور تحفہ میں ملے اسے استعمال کرو

ثقۃ الاسلام کلینی نے اسی کتاب کی "کتاب الزکوۃ" کے "باب الرجل یشتری المتاع فیکسد والمضاربۃ" ج: ۳، ص: ۲۷۷، پر یہ حدیثیں نقل فرمائی ہیں:

۲۰۳۵۔ أَحْمَدُ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْكَرْخِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ (ع) عَنِ الزَّكَاةِ، فَقَالَ: مَا كَانَ مِنْ تِجَارَةٍ فِي يَدِكَ فِيهَا فَضْلٌ لَيْسَ يَمْنَعُكَ مِنْ بَيْعِهَا إِلَّا لِتَزْدَادَ فَضْلًا عَلَى فَضْلِكَ فَزَكِّهِ وَ مَا كَانَتْ مِنْ تِجَارَةٍ فِي يَدِكَ فِيهَا نُقْصَانٌ فَذَلِكَ شَيْءٌ آخَرُ.

امام جعفر صادق علیہ السلام سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

تمہارے پاس تجارت کا جو بھی ایسا مال یا چیز ہو جس میں تمہیں فائدہ ہو۔ تمہارے نزدیک اسے نہ بیچنے کا سبب فقط یہ ہو کہ تمہیں اس میں زیادہ فائدہ کا خیال ہو۔ اس کی زکوٰۃ نکالو۔

البتہ تجارت کا جو مال ایسا ہو جس میں نقصان ہی نقصان ہو اس کا معاملہ دوسرا ہے۔

الکافی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس سے ملتی جلتی بہت سی حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

☆ ہر ایسے تجاتی سرمایہ پر زکوٰۃ ہے جو انسان کو فائدہ دے رہا ہو یا اس سے فائدہ ملنے کا امکان ہو۔

☆ یہاں تک کہ احادیث میں اس بات تک کی تاکید کی گئی ہے کہ:

اگر،

کسی شخص کے پاس گھر میں کوئی ایسا سامان یا مال ہے جس میں اسے یہ دلچسپی ہو کہ وہ اس سے تجارت کر کے فائدہ حاصل کرے گا۔ اس کی بھی زکوٰۃ نکالے۔

☆ شراکت کے سرمایہ میں شرکاء کو ایک دوسرے کو زکوٰۃ نکالنے کی ترغیب دلانا ضروری ہے۔

☆ تجارت کے شرکاء کسی ایک کو اپنی طرف سے زکوٰۃ نکالنے کا اختیار یا وکالت دے سکتے ہیں۔ یہ شخص کوئی شریک بھی ہوسکتا ہے۔

﴿د﴾ قرض لئے ہوئے مال پر زکوٰۃ:

ثقۃ الاسلام کلینی نے "الکافی" میں "الفروع" کی "کتاب الزکوٰۃ" کے "باب: زکوٰۃ یستفید المال الغائب و الدین والودیعۃ" طبع: الامیرۃ، بیروت، ۲۰۰۸ء = ۱۴۲۹ھ، ج: ۳، ص: ۲:۲۷۲ پر یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

۲۰۰۳۔ عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حَرِيزٍ عَنْ زُرَارَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ: رَجُلٌ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ مَالًا قَرْضاً عَلَى مَنْ زَكَاتُهُ عَلَى الْمُقْرِضِ أَوْ عَلَى الْمُقْتَرِضِ؟

قَالَ، لَا بَلْ زَكَاتُهَا إِنْ كَانَتْ مَوْضُوعَةً عِنْدَهُ حَوْلًا عَلَى الْمُقْتَرِضِ.

قَالَ، قُلْتُ، فَلَيْسَ عَلَى الْمُقْرِضِ زَكَاتُهَا؟

قَالَ، لَا يُزَكَّى الْمَالُ مِنْ وَجْهَيْنِ فِي عَامٍ وَاحِدٍ وَلَيْسَ عَلَى الدَّافِعِ شَيْءٌ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِهِ شَيْءٌ إِنَّمَا الْمَالُ فِي يَدِ الْآخِذِ فَمَنْ كَانَ الْمَالُ فِي يَدِهِ زَكَّاهُ؟

قَالَ، قُلْتُ، أَفَيُزَكِّي مَالَ غَيْرِهِ مِنْ مَالِهِ؟ فَقَالَ، إِنَّهُ مَالُهُ مَا دَامَ فِي يَدِهِ وَلَيْسَ ذَلِكَ الْمَالُ لِأَحَدٍ غَيْرِهِ۔ ثُمَّ قَالَ، يَا زُرَارَةُ! أَرَأَيْتَ وَضِيعَةَ ذَلِكَ الْمَالِ وَرِبْحَهُ لِمَنْ هُوَ وَعَلَى مَنْ قُلْتُ، لِلْمُقْتَرِضِ.

قَالَ، فَلَهُ الْفَضْلُ وَعَلَيْهِ النُّقْصَانُ وَلَهُ أَنْ يَنْكِحَ وَيَلْبَسَ مِنْهُ وَيَأْكُلَ مِنْهُ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُزَكِّيَهُ بَلْ يُزَكِّيهِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ.

زرارہ کہتے ہیں، میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:
کوئی شخص ،کسی کو قرض دے ۔اس مال کی زکوٰۃ کس پر ہے؟ قرض دینے والے پر یا قرض لینے والے پر؟
امام علیہ السلام نے فرمایا:
قرض لینے والے پر۔
میں نے عرض کی: قرض دینے والے پر اس کی زکوٰۃ نہیں ہے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا:
ایک مال سے ایک ہی سال میں دو طرف سے زکوٰۃ نہیں نکلتی۔قرض دین والے زکوٰۃ نہیں ہے۔مال اب اس کے پاس ہے ہی نہیں۔
اس وقت مال قرض لینے والے کے پاس ہے ۔جس کے پاس مال ہے وہی زکوٰۃ ادا کرے گا۔
میں نے عرض کی: کیا وہ کسی اور کے مال کی زکوٰۃ اپنی جیب سے نکالے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا:
جب تک یہ مال اسکے پاس ہے، وہ اس مال کا مالک ہے۔کوئی اور اس نہ اس پر کسی اور کو تصرف کا حق حاصل ہے۔
پھر امام علیہ السلام نے فرمایا:
زرارہ !
تم نے غور کیا؟ اس وقت اس مال کا اختیار اور اس سے حاصل ہونے والے فائدے کا مالک کون ہے؟
میں نے عرض کی: قرض لینے والے کا۔
امام علیہ السلام نے فرمایا:

فائدہ بھی اس کا ہے، نقصان بھی اس کا ہے۔ وہ اس مال سے شادی
کرسکتا ہے۔ کپڑے خرید اور پہن سکتا ہے۔ کھا پی سکتا ہے۔
اب وہ اس سے نہ نکالے!؟
اس کی زکوٰۃ اسی کو نکالنا ہوگی۔ یہ اسی پر واجب ہے۔

اس اور اس قسم کی دوسری حدیثوں کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:

☆ کسی شخص کے پاس مال ہو۔ وہ اس کو خرچ کرنے اور استعمال کرنے میں آزاد ہو:
☆ وہ اسے تجارت میں لگائے یا کسی اور کام میں لائے یا نہ لائے مگر اسے خیال ہو کہ اگر یہ اس کے پاس رکھا رہے تو اس میں فائدہ کا امکان ہے۔
☆ یہ مال اس نے قرض لیا ہو۔
☆ مضاربہ پر لیا ہو۔
☆ کسی نے اس کے پاس رکھوا کر، اسے اس کے استعمال کرنے اختیار دے دیا ہو:
☆ یہ مال نصاب کے برابر یعنی 66.8 گرام سونے کی قیمت کے برابر ہو۔
☆ اس پر سال پورا ہو جائے۔
☆ اس پر واجب ہے، وہ خود اس سے زکوٰۃ نکالے۔

یہاں تک کہ اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ:

☆ کسی کے پاس اتنا مال ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔
☆ اس پر اتنا ہی یا اس سے زیادہ قرض واجب الادا ہو۔
☆ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس سے زکوٰۃ نکال۔

ثقۃ الاسلام کلینی نے "الکافی" میں "الفروع" کی "کتاب الزکوٰۃ" کے" باب: زکوٰۃ المال الغائب والدین والودیعۃ" طبع: الامیرۃ، بیروت، ۲۰۰۸ء=۱۴۲۹ھ، ج:۳، ص:۲۷۳ پر یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

۲۰۱۰۔ عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ عِيسَى عَنْ حَرِيزٍ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ع وَ ضُرَيْسٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ (ع) أَنَّهُمَا قَالا أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَ لَهُ مَالٌ مَوْضُوعٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ فَإِنَّهُ يُزَكِّيهِ وَ إِنْ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ مِثْلُهُ وَ أَكْثَرُ مِنْهُ فَلْيُزَكِّ مَا فِي يَدِهِ.

زراہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے،

ضریس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے

حدیث روایت کی ہے، دونوں اماموں نے فرمایا:

جس کے پاس کوئی مال ہو۔ اس مال پر سال گذر جائے۔ وہ اس سے زکوٰۃ نکالے۔ چاہے وہ اتنا ہی یا اس سے زیادہ مقروض ہی کیوں نہ ہو۔ جو کچھ اس کے پاس اور اس کی ملکیت میں ہے اس سے زکوٰۃ نکالے۔

ادائیگی

اصولی طور پر جامع الشرائط مجتہد، فقیہ یا ولی امر کا فریضہ ہے کہ وہ مؤمنین سے زکوٰۃ، خمس اور دوسرے مالی واجبات کا مطالبہ کرے اور وصول کرے۔

مؤمنین کے لئے بھی ضروری ہے کہ زکوٰۃ جامع الشرائط مجتہد، فقیہ یا ولی امر یا ان کے معتبر وکیل تک پہنچائے تا کہ اس کے ہاتھ سے یا اس کی اجازت سے مستحقین کے درمیان تقسیم ہو۔

مخارج:

قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے مطابق فقیہ جامع الشرائط یا ولی امر مسلمین کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ درج ذیل ۸/امور میں خرچ کرے:

﴿۱﴾ فقراء:

معاشرہ کے وہ افراد جو اتنا نہ کما سکتے ہوں جس سے ان کے اخراجات پورے ہوسکیں۔

﴿۲﴾ مساکین:

معاشرہ کے شریف اور آبرومند افراد جن کا کوئی بھی ذریعہ آمدنی نہ ہو۔ کمانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں یا معاشرتی مجبوریوں کے سبب کما نہ سکتے ہوں۔

یا کماتے ہوں مگر اپنے مخارج پورے نہ کر سکتے ہوں۔ اپنی عزت، آبرو کی خاطر اس طرح رہتے ہوں کہ عام افراد ان کو محتاج نہ سمجھتے ہوں۔ سوال کرنے سے شرماتے ہوں۔

قرآن حکیم میں ان کی نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

یہ صدقہ ان فقراء کے لئے ہے جو راہِ خدا میں گرفتار ہو گئے ہیں اور کسی طرف جانے کے قابل بھی نہیں ہیں ناواقف افراد انہیں ان کی حیا و عفت کی بنا پر مالدار سمجھتے ہیں حالانکہ تم ان کے چہروں یا پیشانیوں کے آثار سے ان کی غربت کا اندازہ کر سکتے ہو اگرچہ یہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے ہیں اور تم لوگ ان جیسے حضرات پر جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ اسے خوب جانتا ہے[1]

﴿۳﴾ عاملین:

وہ افراد جو زکوۃ کی جمع آوری کا فریضہ انجام دیتے ہوں۔

﴿۴﴾ غارمین:

قرض دار لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے۔

[1] سورۂ بقرہ: ۲: ۲۷۳

﴿۵﴾ فی سبیل اللہ:

اسلام کی تبلیغ و استحکام کے کاموں میں۔ مثلاً مسجد، مدرسہ [اسکول، کالج، یونیورسٹی، تحقیقی اداروں] کی تعمیر، شہر کی صفائی، تبلیغی امور وغیرہ۔

﴿۶﴾ ابن السبیل:

مسافروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے۔

﴿۷﴾ مؤلفۃ القلوب:

کفار و منافقین اور بے دین لوگوں کی مدد کے لیے۔ تا کہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو۔

﴿۸﴾ رقاب:

انسانوں کو غلامی یا غلامی سے ملتے جلتے بوجھ سے آزاد کرانے کے لیے۔ اس پر مفصل گفتگو روزہ کے کفارہ کے باب میں کی جا چکی ہے۔

خمس

تعریف:

خالص منافع یعنی سال بھر کی بچت کا پانچواں حصہ نکال کر راہِ خدا میں دینا خمس کہلاتا ہے۔

خمس مالی عبادات میں سے اہم عبادت ہے۔

احکام:

ہر مکلف کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی ملازمت، تجارت، کھیتی باڑی، مویشی پروری، باغبانی، معدنیات، وراثت، ہبہ وغیرہ سے حاصل ہونے والے خالص منافع سے پانچواں حصہ یعنی ۲۰ فیصد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کے راستہ میں نکالے۔

خالص منافع سے مراد وہ مال، شئے، جنس یا رقم ہے جو کسی بھی مکلف کے ضروریات زندگی اور سال بھر کے ضروری اخراجات کے بعد اس کے پاس بچے۔ خواہ یہ چیزیں ان کاموں کی تکمیل کی خاطر کئی برس تک جمع رہیں۔ نیز یہ چیزیں خواہ جنس کی شکل میں ہوں یا رقم کی شکل میں۔

بعض اموال اور چیزیں جو عام طور سے لازمی ضرورتوں مثلاً بیٹی کا جہیز، شادی بیاہ، مکان وغیرہ کے لیے جمع کی جاتی ہیں۔ ان پر خمس ضروری نہیں ہے۔

عام طور سے روز مرہ ضرورتوں کی جو چیزیں ماہانہ یا ہفتہ وار خریدی جاتی ہیں۔ خمس کی تاریخ آنے پر اگر ان میں سے کچھ بچا ہو تو اس پر بھی خمس نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس کی مقدار متعارف حد تک ہو۔ مثلاً ۱۰ رکیلو چاول سے ۵ رکیلو بچ گئے۔ ایک کیلو چائے سے آدھا کیلو بچ گئی وغیرہ۔

لیکن،

اگر سالانہ بنیادوں پر خریداری کی جاتی ہو اور خمس کی تاریخ آنے پر اس میں سے بہ اندازۂ کافی یعنی زیادہ مقدار میں بچ جائے تو اس پر خمس ادا کرنا ضروری ہے۔

جو اموال ارث یا ہبہ کے ذریعہ ملیں۔ وہ سال کے فوائد میں شمار ہوں گے۔ ان میں سے سال بھر کے مخارج کے بعد جو کچھ بچے اس پر بھی خمس واجب ہے۔

جس مال میں نعوذ باللہ حرام کی ملاوٹ ہو وہ "مالِ مخلوط بالحرام" کہلاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی کے پاس ایسا مال ہو جس میں حرام مال مل گیا ہو۔ اسے اس حرام مال کی مقدار اور اس کا اصل مالک معلوم نہ ہو تو اس پر خمس نکالنے کے بعد اس شخص کے لیے اس مال کا استعمال جائز ہے۔

لیکن اگر مقدار تو معلوم نہ ہو لیکن یہ معلوم ہو کہ ملے ہوئے حرام مال کی مقدار خمس سے زیادہ ہے تو زیادہ مال نکالنا ہوگا۔

اسی طرح اگر اجمالی طور پر حرام طریقہ سے ملے ہوئے مال کے مالک کا علم ہو یا اجمالی طور پر اس کی مقدار مثلاً چوتھا یا تیسرا حصہ معلوم ہو تو ضروری ہے کہ امکان کی صورت میں مالک کو دیا جائے، یا مالک کو راضی کیا جائے، یا اگر مالک تک دسترسی نہ ہو تو اجمالی طور پر معلوم مقدار کی رقم مالک کی طرف سے صدقہ کے طور پر دی جائے۔

ادائیگی

ضروری ہے کہ خمس، سہم امام علیہ السلام اور سہم سادات دونوں حصے فقیہ جامع الشرائط کو دیئے جائیں۔

اگر سہم سادات خود دینا ضروری ہو تو فقیہ جامع الشرائط سے اجازت لے کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کے مخارج کی صحیح تشخیص وہی دے سکتا ہے۔

خمس کے مخارج:

فقیہ جامع الشرائط یا ولی امر مسلمین کو چاہیے کہ نصِ قرآنی کے مطابق خمس دو بڑے حصوں میں تقسیم کر کے خرچ کرے:

﴿۱﴾ سہم امام:

اللہ تعالیٰ یا ولی امر مسلمین کا حصہ جسے فقہی اصطلاح میں سہم امام کہتے ہیں۔
یہ حصہ دین کی ترویج، استحکام اور تبلیغ و تعلیم کے کاموں یعنی علماء، فقہاء، مدارس وغیرہ کے اخراجات کی تامین کے لیے خرچ کیا جائے۔

﴿۲﴾ سہم سادات:

رسولؐ و آل رسول علیہم السلام کا حصہ جو فقہی اصطلاح میں سہم سادات کہلاتا ہے۔
یہ حصہ سادات بنی فاطمہ و سادات بنی ہاشم کے یتیموں، ضرورتمندوں اور مسافروں وغیرہ کی سرپرستی نیز ان کے مخارج کی تکمیل یا قرضوں کی ادائیگی کے لیے خرچ کیا جانا چاہیے۔

ہبہ اور صدقہ

تعریف:

ہبہ، ایسی بخشش اور عطا کو کہتے ہیں کہ اگر اس میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کی نیت ہو تو وہ صدقہ شمار ہوتا ہے۔

کیونکہ،

صدقہ ایسے تحفہ، ہدیہ، عطا اور بخشش کو کہا جاتا ہے جو سچائی اور صدق دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کی خاطر دیا جائے۔

احکام:

ہبہ کرنے والے مالک کو "واہب"۔ جس کو ہبہ کیا جائے اسے "موہوب لہ" کہتے ہیں۔

ہبہ، جب تک وصول نہ کر لیا جائے محقق نہیں ہوتا۔ یعنی موہوب لہ کو جب تک اس پر مکمل اختیار حاصل نہ ہو جائے، وہ مالک یعنی واہب کی ملکیت میں باقی رہتا ہے۔

ہبہ کے تحقق کے لیے ضروری ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہ یا اس کا وکیل اپنے قبضہ میں لے لے۔

اگر کوئی چیز پہلے سے عاریتاً یا قرض یا امانت کے طور پر کسی کے پاس موجود ہو۔ مالک وہ چیز اسی شخص کو ہبہ کر دے، تو اسے نئے سرے سے مالک کو دے کر واپس لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس صورت میں مالک کی جانب سے قصد یا اعلان کرتے ہی ہبہ متحقق ہو جائے گا۔

عام طور سے واہب اپنے ہبہ سے رجوع کر کے اس وقت تک عین ہبہ یعنی موہوبہ چیز کو

واپس لے سکتا ہے جب تک عین ہبہ باقی ہو۔

لیکن مندرجہ ذیل صورتوں میں واہب کا حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔ اسے عین ہبہ واپس لینے کا حق نہیں رہتا:

﴿۱﴾ عین موہوبہ استعمال کیا جا چکا ہو۔ اس کی ماہیت بدل چکی ہو۔ اسے بیچا جا چکا ہو۔ اسے کسی اور کو ہبہ کیا جا چکا ہو جیسے کپڑا اسی کر پہن لیا گیا ہو چاول پکا کر کھا لیے گئے ہوں وغیرہ۔

﴿۲﴾ ہبہ کرتے وقت واہب نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے حصول کی نیت کر لی ہو۔

﴿۳﴾ ہبہ کے وقت کوئی معاوضہ لیا گیا ہو۔ خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے تحفہ کے بدلے میں تحفہ، مثلاً کسی نے زیور تحفہ میں دیا۔ اس کے بدلے میں رومال کا تحفہ قبول کر لیا۔

وقف

وقف بھی اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر کیا جانا ضروری ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا ہمیشہ باقی رہنے والا صدقہ ہے۔ اس کے منافع اللہ کے راستہ میں ضرورت مند لوگوں کے کام آتے ہیں۔

وقف کیا ہے؟

وقف درحقیقت ایک قسم کی محدود ملکیت یا تملیک ہے۔ یعنی واقف اپنی مِلک کو اپنی ملکیت سے نکال کر اس قید و شرط کے ساتھ لوگوں کے ملکیت میں دے دیتا ہے کہ لوگ اس سے فیض حاصل کرتے رہیں۔ لیکن ان کو یہ چیز، دولت یا ملکیت اپنی یا کسی اور کی ملکیت قرار دینے یا بیچنے کا حق نہ ہو۔

وقف کی دو قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ وقفِ عام:

وقف عام، اس وقف کو کہتے ہیں جو سب کے لیے قابلِ استفادہ ہو۔ جیسے مسجد، امام بارگاہ، مدرسہ، اسکول، کالج، اسپتال، پل، کتابیں، عام لوگوں کے کام آنے والے وسائل وغیرہ۔

سب سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو واقف کی طرف سے وقف کی گئی چیز کے مقاصد کے مطابق اس سے استفادہ کے مجاز ہوں۔

﴿۲﴾ وقف خاص:

وقف خاص سے مراد وہ وقف ہے جس سے استفادہ کرنے والوں کیلئے کسی خاص نوعیت، خاندان، قبیلہ یا ملک وغیرہ سے تعلق رکھنا شرط ہوتا ہے۔ یہ بھی دو قسم کا ہوتا ہے:

﴿الف﴾ خاص نوعیت کے لوگوں کے لیے:

جیسے حج یا زیارت کے جانے والوں کے لیے کوئی جگہ وقف کی جائے تا کہ وہ وہاں قیام کریں۔

یا

عزاداروں کے لیے کوئی چیز وقف کی جائے کہ وہ اس کی آمدنی سے عزاداری کے انتظامات کریں۔

یا

کوئی چیز محققین، علماء وغیرہ کے لیے وقف کی جائے کہ وہ اپنی تحقیق و مطالعہ کے لیے اس سے استفادہ کریں۔

یا

کوئی ایسا وقف کیا جائے جس کے نتیجہ میں ہر سال خاص علوم و فنون میں مہارت رکھنے والوں کو انعام دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

﴿ب﴾ خاص خاندان یا قبیلہ، ملک کے لوگوں کیلئے:

کبھی وقف اس لیے کیا جاتا ہے کہ خاص خاندانوں کے لوگ اس کی آمدنی یا اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے استفادہ کریں۔

جیسے کوئی اپنے خاندان کے ذہین طلبہ کے لیے کوئی عمارت وقف کرے۔

یا سادات، یا کسی خاص ملک کے لوگوں کے استفادہ کیلئے کوئی چیز وقف کی جائے۔

احکام:

وقف میں وہ لوگ یا ادارے جن کے لیے کوئی چیز وقف کی جائے حقوقی طور پر موقوفہ کے مالک ہوتے ہیں۔

ان کے بعد یہ خودبخود آنے والی نسلوں کی حقوقی ملکیت میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔

یہ ملکیت محدود اور قائم رہنے والی ہوتی ہے۔

وقف اسی وقت لزوم اور واقعیت پیدا کرتا ہے جب وہ موقوف علیہم کے تصرف میں آجائے۔

جیسے مسجد میں نمازی نماز پڑھنے لگیں۔ مدرسہ میں بچے تعلیم حاصل کرنا شروع کردیں وغیرہ۔

اگر موقوفہ شئے یا جائیداد واقف کے مرنے سے پہلے موقوف علیہم کے تصرف میں نہ آئی ہو تو وقف باطل ہوجاتا ہے۔ اب وہ ترکہ شمار ہوتا ہے۔

اگر کوئی چیز مسجد، امام بارگاہ، مدرسہ، اسپتال وغیرہ کیلئے وقف کی گئی ہوتو یہ ان عمارتوں یا اداروں کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ اس لیے اگر وہ مسجد وغیرہ کے لیے کارآمد نہ ہو، یا کارآمد نہ رہے تو متولی اس کو بیچ کر مسجد وغیرہ کے دوسرے کام انجام دے سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری چیزیں خرید سکتا ہے۔

اس صورت میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ اس کی قیمت واقف کے مقاصد کے مطابق کاموں میں استعمال کی جائے۔

وقف خاص یعنی اولاد یا قبیلہ وغیرہ کے لیے وقف کی جانے والی چیز اگر اس سلسلہ میں استعمال کے قابل نہ رہے یا جھگڑے کا سبب بن جائے تو متولی اسے بیچ کر متعلقہ افراد کے درمیان تقسیم کرکے معاملہ ختم کردے۔

اگر واقف نے متولی معین نہ کیا ہوتو حاکم شرعی اس کیلئے متولی معین کرے۔

اگر وقف کا متولی وقف نامہ کے مطابق عمل نہ کرے یا عمل نہ کرسکے تو وہ خودبخود معزول ہو جائے گا۔ حاکم شرعی کو اس پر متولی مقرر کرنا ہوگا۔

وصیت

تعریف:

وصیت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے مرنے سے پہلے ہوش وحواس اور عقل وفکر کی سلامتی کے ساتھ اپنے اختیار سے اپنے ترکہ یعنی چھوڑ کر جانے والے اموال کو وارثوں کو خاص موارد میں استعمال کرنے کی ہدایت دے۔

احکام:

اللہ جل جلالہ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ

﴿البقرة:٢:١٨٠﴾

''تمہارے لئے یہ قانون بنایا گیا ہے کہ جب بھی تم میں کسی کو موت آنے لگے اور اپنے بعد کچھ مال ومتاع چھوڑ کر جا رہا ہوتو وہ اپنے والدین اور ان اقرباء کے لئے جن کی وہ اپنی زندگی میں کفالت اور سرپرستی کرتا رہا ہو ان کے لئے بھلائی کے ساتھ وصیت کرے۔ یہ بات مومنین پر واجب ہے۔

جو اس حکم اور وصیت کو سننے کے بعد اسے بدلے تو اس کا گناہ ان سب پر ہوگا جو اس حکم اور وصیت میں تبدیلی کے ذمہ دار ہوں گے۔

بے شک اللہ جل جلالہ سمیع وعلیم ہے۔''

اس آیہ کریمہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ وصیت موت کا یقین ہونے پر لکھنا یا کرنا واجب ہے۔

۲۔ اللہ جل جلالہ نے انسان کی موت کے بعد بھی اس کے اموالِ منقولہ وغیر منقولہ پر اس کا حق اس طرح ثابت رکھا ہے جیسا کہ اس کی زندگی میں تھا۔ یہ تصور کہ مرنے کے بعد انسان کو اپنے مال پر کوئی حق نہیں رہتا، اس آیت سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔ یہ حق اس لئے ہے کہ وہ جو نیکیاں اپنی زندگی میں کرتا تھا انہیں اپنی موت کے بعد بھی جاری رکھے۔

۳۔ وصیت کے قانون اور وصیت کے مواد میں کسی کو بھی کسی طرح کی تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہے۔ جو بھی یہ تبدیلی کرے گا اس تبدیلی کا ذمہ دار ہوگا۔ وہ گناہ گار ہوگا۔

۴۔ وصیت میں اولاد کا ذکر نہیں آیا ہے بلکہ والدین اور اقرباء کا ذکر آیا ہے۔ نیز یہاں اقرباء سے مراد فقط رشتہ دار نہیں ہیں۔ یہاں اقرباء کا مفہوم اور دائرہ وسیع ہے۔ اس دائرہ میں وہ یتیم، بیوائیں، مساکین وفقراء شامل ہیں جن کی انسان اپنی زندگی میں سرپرستی کرتا اور ان کے تعلیم وتعلم، رہن سہن وغیرہ کے اخراجات فراہم کرتا تھا۔

والدین کا ذکر بھی اسی لئے آیا ہے کہ عموماً والدین بڑھاپے میں اولاد کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں والدین کا خرچہ اولاد پر واجب ہوتا ہے۔

لیکن،

چونکہ انسان اپنی زندگی میں عام طور سے اولاد کو ان کے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے یہاں ان کا ذکر نہیں آیا۔

البتہ،

اگر اولاد اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ ہو اور ان کا خرچہ مرنے والا ہی اٹھاتا ہو تو وہ وصیت میں شامل ہوسکتے ہیں۔

علامہ فیض کاشانی نے اپنی کتاب ''الوافی'' میں وصیت کے بارے میں اس آیت کریمہ نیز

اس کے سلسلہ میں روایتوں کا ذکر فرماتے ہوئے کہا ہے کہ علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نسخ نہیں ہوئی ہے۔[1]

ایک اور مقام پر ارشاد رب العزت ہے:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ.

﴿البقرة: ۲: ۲۴۰﴾

''تم میں سے جو لوگ اپنے بعد بیویاں چھوڑ کر جا رہے ہوں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے لئے ایک سال کا خرچہ اور یہ وصیت چھوڑ کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک اس گھر سے نہیں نکالا جائے گا جس میں وہ ان کی زندگی میں رہ رہی تھیں۔''

یعنی،

مسلمان پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کے لئے سال بھر کے تمام اخراجات جس میں رہن سہن، لباس، سفر، عید بقرعید، علاج معالجہ وغیرہ شامل ہیں، الگ سے چھوڑے اور وصیت کرے۔

نیز،

یہ وصیت بھی کرے کہ اس کی بیوی یا بیویوں کو سال بھر تک اس گھر سے نکالا جائے گا جس میں وہ اس کی موت کے وقت اس کے ساتھ رہتی رہی ہیں۔

نیت:

خمس، زکوٰۃ، زکوٰۃ فطر، وصیت اور صدقہ وغیرہ تمام عبادات میں نیت یعنی دل کی گہرائی اور

[1] فیض کاشانی، الوافی، دار الاحیاء التراث العربی، ج ۲۵، ص ۸

صداقت وخلوص کے ساتھ یہ ارادہ کرنا ضروری ہے کہ: خمس، زکوٰۃ، زکوٰۃ فطر، وصیت/، صدقہ وغیرہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خوشنودی، رضا اور تقرب کے حصول کی خاطر انجام دے رہا ہوں۔

یہ نیت عبادات اور واجبات کی ادائیگی کی تو شرط ہے ہی،

لیکن جو انسان اپنی زندگی کے تمام اعمال حتی کہ سونا، جاگنا، کھانا، پینا، نوکری، تجارت غرض زندگی کا ہر عمل اسی نیت کے ساتھ انجام دے تو یہ عام اعمال بھی عبادت بن جاتے ہیں اور ان پر دنیا و آخرت میں اللہ عزوجل کی جانب سے ثواب مرحمت ہوتا ہے۔

نذر

تعریف:

نذر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر کسی کام کی انجام دہی کو لازم قرار دے۔

احکام:

نذر میں اگر درج ذیل شرطیں موجود ہوں تو اس کا ادا کرنا نذر کرنے والے پر واجب ہوجاتا ہے:

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا:

نذر کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔یعنی کہے:

﴿نَذَرْتُ لِلّٰهِ﴾

"میں اللہ کے لیے نذر کرتا ہوں کہ فلاں کام انجام دوں گا۔"

البتہ،

ضروری نہیں ہے کہ عربی ہی میں کہے۔کسی بھی زبان میں کہا جاسکتا ہے۔

لیکن،

زبان سے الفاظ کا ادا کرنا ضروری ہے۔صرف دل میں نیت کر لینا کافی نہیں ہے۔

انبیاء کرام و ائمہ اہلبیت علیہم السلام یا اولیاء اللہ، مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مسجدالحرام، عام مساجد یا

امام بارگاہوں کے لیے نذر کی جاسکتی ہے۔شرط یہ ہے کہ نذر فقط اللہ کے لیے ہو۔ ان شخصیات یا مقامات پر خرچ کرنے کی نیت اور اس عمل کا ثواب ان پاکیزہ ارواح کی خدمت میں تحفہ و ہدیہ کے طور پر پہنچانا مقصود ہو۔

مثلاً یہ کہے کہ:

میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے نذر کرتا ہوں کہ ایک جانور امام حسین علیہ السلام یا حضرت عباس علیہ السلام کیلئے ذبح کروں گا۔ اس کا ثواب ان کی ارواحِ طیبہ کو ملے۔

یا

میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نذر کرتا ہوں کہ مسجد میں ائیرکنڈیشنز لگواؤں گا تا کہ اس کا ثواب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔

یا

میں اللہ تعالیٰ کی خاطر نذر کرتا ہوں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی طرف سے یا ان کے نام پر ہزار افراد کو کھانا کھلاؤں گا وغیرہ وغیرہ۔

﴿۲﴾ قصدِ قربت:

نذر کرنے والے کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی بارگاہ میں تقرب کا حصول ہو۔

﴿۳﴾ رجحان شرعی:

جس کام کی نذر کی جائے وہ شرع مقدس کی نظر میں پسندیدہ اور محترم یعنی مستحب یا واجب ہو۔ مستحب عمل نذر کے سبب واجب ہوجاتا ہے۔ واجب عمل نذر کے سبب مزید واجب ہوجاتا ہے یعنی اس کے ثواب میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

﴿۴﴾ نذر کی جانے والی چیز یا عمل:

ضروری ہے کہ جس چیز یا کام کے بارے میں نذر کی گئی ہو، نذر کی انجام دہی کے وقت اس کام کا انجام دینا ممکن ہو۔

کوئی شخص نذر کرے۔ ادائیگی کے وقت ممکن نہ رہے۔ یہ عدم امکان اس کی مالی یا جسمانی ناتوانی کے سبب ہو یا شرعی مخالفت کے سبب۔ دونوں صورتوں میں نذر باطل ہوجائے گی۔

مثلاً نذر کی۔ شوال کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھے گا۔ شوال کی پہلی جمعرات کو عید کا دن پڑ گیا۔ نذر باطل ہوجائے گی۔

مثلاً نذر کی کہ اگر بچہ اچھے نمبروں سے پاس ہوگا۔ تو اسی مہینے ہزار روپے مسجد کی تعمیر کیلئے دے گا۔ لیکن اس وقت اس کی مالی حالت ایسی ہوئی کہ قرض لینا بھی ممکن نہ رہا۔ اب یہ نذر باطل ہوجائے گی۔

بنیادی طور پر ایسی نذریں جو کسی شرعی ممانعت سے ٹکراتی ہوں پہلے دن ہی سے باطل ہوتی ہیں۔

روایات میں ان نذروں کو ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا گیا ہے جن میں تکرار یا استمرار یعنی کسی عمل کے باقاعدگی سے انجام دینے کا ارادہ کیا گیا ہو۔

جیسے یہ کہ ہر ماہ کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھے گا۔

یا

ہر سال روز عرفہ زیارت امام حسین علیہ السلام کو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔[1]

ایسی نذریں تکلیف اور دشواری کا باعث ہوتی ہیں۔

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۲۳، کتاب النذر، باب ۶، ص ۳۰۳

﴿۵﴾ نذر کی انجام دہی:

ضروری ہے کہ ایسے کام کی نذر کی جائے جو خود نذر کرنے والے کو انجام دینا ہو۔ مثلاً نذر کرے کہ حج یا زیارت کو جائے گا یا فلاں دعا یا نماز پڑھے گا۔

اس لیے یہ نذر صحیح نہیں ہوگی کہ اگر فلاں یونیورسٹی میں بیٹے یا بیٹی کا داخلہ ہوگیا تو وہ بیٹی یا بیٹا شکرانہ کے طور پر فلاں کام انجام دے گا۔

اگر یہی نذر خود بیٹا اپنے لیے کرے کہ اگر اس کا داخلہ ہوگیا تو وہ شکرانہ کے طور پر فلاں کام انجام دے گا تو صحیح ہے۔

باپ کی یہ نذر صحیح نہیں ہوگی کہ اگر اس کی بیٹی شفایاب ہوگئی تو وہ فلاں شخص سے اس کی شادی کر دے گا۔ خواہ باپ کو بیٹی کی شادی کے بارے میں ولایت کا حق ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ شادی دراصل بیٹی کا حق ہے۔

بعض روایات کے مطابق اگر یہ معلوم نہ ہو کہ جس کام کے لیے نذر کی تھی وہ پورا ہوا یا نہیں؟ تو اس نذر پر عمل واجب نہیں ہے۔[1]

مثلاً:

اگر کسی نے سفر میں نذر کی کہ اگر اس کے بچہ کو شفا حاصل ہوگئی تو وہ تین دن روزے رکھے گا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا بچہ اس کے نذر کرنے سے پہلے ہی شفایاب ہو چکا تھا تو اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ نذر پوری کرے۔

البتہ،

بہتر ہے کہ نعمتِ الٰہی کے شکرانہ کے طور پر تین روزے رکھ لے۔

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۲۳، کتاب النذر، باب ۵، ص ۳۰۱۔ ۳۰۲

﴿۶﴾ نذر کی ادائیگی:

ضروری نہیں ہے کہ نذر کی ادائیگی مقصد یا دعا پوری ہونے کے بعد ہی کی جائے۔

مقصد یا دعا کے پورا ہونے سے پہلے نذر پر عمل زیادہ بہتر ہے۔ اس صورت میں واجب ادا ہوجاتا ہے۔

مقصد یا دعا کے پورا ہونے کے بعد اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مثلاً اگر نذر کرے کہ بچہ کی صحت یابی کے بعد تین دن روزہ رکھے گا۔ تین روزے اسی نیت سے بچہ کے شفایاب ہونے سے پہلے رکھ لے۔ اب بچہ کی صحت یابی کے بعد ان روزوں کو رکھنا ضروری نہیں ہے۔ مقصد یا دعا پورا ہونے سے پہلے نذر کا انجام دینا خدا کو زیادہ پسند ہے۔ اس صورت میں حاجت جلدی پوری ہوجانے کا امکان بھی زیادہ ہے۔

کیونکہ مقصد کے پورا ہونے سے پہلے نذر پر عمل کرنیکا مطلب یہ ہے کہ نذر کرنے والے نے اپنے مقصد کو پورا ہونے سے پہلے ہی مکمل طور پر حاصل ہوجانے کا خیال کرلیا۔ اس نے الطافِ الٰہیہ پر اپنے مکمل اطمینان نیز خدا کے وعدہ پر بھرپور بھروسہ کا اظہار کردیا۔

یہی اطمینان اور بھروسہ دعا کی قبولیت کی ایک اہم نشانی ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ:

دعا یا حاجت طلب کرتے وقت حسنِ نیت، اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن نیز قبولیت پر یقین حاجت برآری میں تعجیل کا سبب ہوتی ہے۔[1]

﴿۷﴾ دوسروں کے حقوق کا احترام:

ضروری ہے کہ ایسے عمل کے لیے نذر نہ کی جائے جس سے کسی کا حق ضایع ہو یا کسی کو

[1] وسائل الشیعہ، ج ۷، باب ۱۵ و ۱۶ (ابواب الدعا من کتاب الصلوٰۃ ص ۵۲ و ۵۴)

تکلیف ہو۔

اگر کسی ایسے عمل کی نذر کی جائے جس سے کسی دوسرے کا حق بھی وابستہ ہو تو اس شخص کی اجازت لی جائے۔ اجازت دینے کی صورت میں متعلقہ فرد کو اس نذر کی تکمیل میں تعاون کرنا ہوگا۔

مثلاً بچہ ابھی ماں باپ کے خرچ پر زندگی بسر کر رہا ہے۔

وہ نذر کرے کہ اگر اس کی ماں صحت یاب ہوگئی تو وہ ہزار روپے صدقہ دے گا۔

چونکہ اس نذر میں اسے ہزار روپے اپنے باپ سے لینا ہوں گے اس لیے اسے اس سلسلہ میں باپ سے اجازت لینا ضروری ہے اگر اس نذر کے موقعہ پر اس نے باپ سے اجازت نہ لی۔ باپ نے ایفائے نذر کے لیے پیسے دینے سے انکار کیا تو نذر ساقط ہوجائے گی۔

لیکن اگر اس نے باپ کی اجازت لے کر نذر کی۔ تو ماں کے شفا یاب ہونے پر باپ کو ایفائے نذر کے لیے اسے ہزار روپے دینا ہوں گے۔

﴿۸﴾ والدین کا حق:

اگر بیٹا یا بیٹی ایسی نذر کرے جو ماں باپ کی نظر میں اس کے لیے مشکل یا مشقت آور ہو، تو ماں باپ اس کی نذر رتڑوا سکتے ہیں۔

نذر کی قضا و کفارہ

﴿۱﴾ اگر کوئی نذر کرے کہ سال بھر تک معین دن روزہ رکھے گا۔ مثلاً سال بھر ہر جمعہ۔ کسی جمعہ اسے سفر کرنا پڑ جائے تو وہ سفر کرسکتا ہے۔ خواہ وہ سفر اختیاری ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں اسے بعد میں اس دن کا روزہ قضا کرنا ہوگا۔

اسی طرح اگر اس دن مرض یا عذرِ شرعی پیدا ہوجائے مثلاً اس دن مریض ہوجائے، یا عید فطر یا عید قربان پڑ جائے تو اس دن کا روزہ قضا کرنا ہوگا۔

﴿۲﴾ اگر کوئی عمداً اور بغیر کسی سبب یا عذر شرعی کے نذر پوری نہ کرے اور اس نذر کے انجام دینے کا وقت گذر جائے تو کفارہ دینا ہوگا۔

﴿۳﴾ غصہ کی حالت میں نذر کرنا نذر کو باطل کردیتا ہے۔ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔

نذر کا کفارہ:

نذر کی خلاف ورزی کرنے کا کفارہ یہ ہے:

☆ نذر کا کفارہ دس ضرورت مندوں (مسکینوں) کو کھانا کھلانا ہے۔

☆ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ممکن نہ ہو۔ تین روزے رکھنا ہوں گے۔

☆ یہ بھی ممکن نہ ہو۔ استغفار کرے۔

قسم

تعریف:

قسم کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کسی کام کی انجام دہی کے لیے قسم کھائی جائے۔

احکام:

قسم کے لیے ضروری نہیں ہے کہ لفظ جلالہ یعنی "اللہ" ہی ادا کیا جائے۔ کسی بھی زبان میں اللہ کا کوئی بھی نام لے کر قسم کھانے سے قسم واقع ہو جائے گی۔

اسی طرح قسم کے لیے ضروری نہیں ہے کہ کسی مستحب یا واجب کام ہی کے لیے قسم کھائی جائے۔ قسم مباح کام کے لیے بھی کھائی جا سکتی ہے۔

قسم کے لیے جو الفاظ فقہاء کی نظر میں معتبر ہیں وہ

"باللہ، تاللہ، وَ للہ"

ہیں۔ عربی زبان میں "باء" "تاء" اور "واؤ" حروف قسم کہلاتے ہیں۔

مثلاً یہ کہا جائے کہ:

واللہ! میں اللہ تعالیٰ کی خاطر لاوارث لوگوں کے لئے چند مکان تعمیر کرواؤں گا۔

یا

تاللہ! میں اللہ جل جلالہ کی خاطر ایک مقروض کا قرضہ ادا کروں گا۔

یا

باللہ! میں ایک یتیم بچی کی شادی کے تمام اخراجات ادا کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ

قسم کا کفارہ:

قسم کی خلاف ورزی کرنے کا کفارہ یہ ہے:

☆ امکان کی صورت میں دس مسکینوں کو اس معیار کا کھانا کھلائے یا لباس پہنائے جو عام طور سے اپنے گھر والوں کو کھلاتا اور پہناتا ہے۔

☆ یا "تحریر رقبۃ" کرے۔

☆ ان دونوں میں سے کچھ نہ کر سکے تو تین دن روزے رکھے۔

یہ بھی ممکن نہ ہو تو استغفار کرے۔

سورۂ مائدہ (۵) کی آیت ۸۹ میں ارشاد رب العزت ہے:

لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُواْ أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ.

تم لوگ عام طور سے عادتاً جو الٹی سیدھی قسمیں کھاتے ہو، اللہ عزوجل ان پر تمہاری پکڑ نہیں فرماتا۔

البتہ، جو قسمیں با قاعدہ ارادہ کے ساتھ کھاتے ہو، اس کی خلاف ورزی پر تمہاری پکڑ ہے۔

ایسی صورت میں تمہارا کفارہ یہ ہے:

☆ دس مسکینوں کو اس طرح کا کھانا کھلاؤ یا لباس پہناؤ جیسا عام طور سے اپنے گھر والوں کو پہناتے ہو

☆تحریر رقبۃ کرو (کسی انسان کی گردن کو ایسے بوجھ سے آزاد کر دو جس نے اسے غلامی جیسے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہو) اگر ان میں سے کچھ نہ کر سکو تو:

☆ تین دن روزے رکھو۔

یہ تمہاری ان قسموں کا کفارہ ہے جو تم نے اپنے ارادہ سے حلف اٹھا کر کھائی ہیں۔

اپنی قسموں کی حفاظت کرو اور ان کا پاس رکھو۔

اللہ عزوجل یہ باتیں تمہیں اس لئے صاف اور واضح انداز میں بتا دیتا ہے کہ تم اللہ عزوجل کا شکر ادا کر سکو یا دوسری لفظوں میں یہ کہ تم زندگی کی لذتوں کا اچھی طرح لطف اٹھا سکو۔

دوسرے مالی واجبات

قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے کہ

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ.[1]

"اللہ جل جلالہ نے رزق و دولت میں تم سے بعض کو بعض پر سبقت اور برتری عطا فرمائی ہے۔

اس لئے!

دولت مند لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی خالص کمائی سے ایک اچھی خاصی مقدار ان لوگوں تک پہنچائیں جو مالی اور اقتصادی طور پر کمزور اور پست ہیں۔

کیونکہ!

ہمارے اس عطا کیے ہوئے رزق اور دولت سے فائدہ اٹھانے میں معاشرہ کے امیر، غریب اور فقیر سب طبقات کے لوگ برابر کا حق رکھتے ہیں۔

کیا!

[1] سورۂ نحل ۱۶:۱۷

دولتمند اور امیر طبقہ کے لوگ (ہماری دی ہوئی) اس دولت کو اپنی کمائی
اور فقط اپنا حق سمجھتے ہیں اور غریبوں اور فقیروں کو اس سے فائدہ
اٹھانے سے محروم رکھ کر ہماری نعمتوں پر غرور کرتے ہیں!"

اللہ جل جلالہ نے قرآن حکیم کے سورۂ معارج (۷۰) کی آیتوں ۲۲ سے ۲۷ تک میں مؤمنوں کی خوبیاں اور صفات اس طرح بیان فرمائی ہیں:

إِلَّا الْمُصَلِّينَ/ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ○ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ○ للسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ○ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ○ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ○

سوائے ان نمازیوں کے جو ہمیشہ اور ہر حال میں نماز پڑھتے ہیں۔ان کے خالص مال میں خمس وزکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد، سوال کرنے والے اور محروم لوگوں کے لئے حق محفوظ رہتا ہے (جب بھی ان سے اللہ کی راہ میں سوال کیا جاتا ہے یا کسی محروم کو دیکھتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ خمس وزکوٰۃ دے چکا ہوں۔ایسے موقعوں پر وہ فورا اپنی جیب خاص سے دے دیتے ہیں)۔

یہ وہی لوگ ہیں جو سچائی کے ساتھ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔اللہ جل جلالہ کی گرفت اور عذاب بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کتاب الکافی میں "الفروع" کی "کتاب الزکوٰۃ" کے پہلے باب "باب فرض الزکاۃ و ما یجب فی المال من الحقوق" کے ذیل میں، طبع الامیرۃ، بیروت: ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ ج: ۳، ص: ۲۵۹۔۲۶۲ پر حدیث نمبر ۱۹۱۸ سے ۱۹۲۹ تک ۱۲ حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔ہم یہاں ان میں سے چند نقل کر رہے ہیں:

۱۹۱۸۔ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى عَنْ سَمَاعَةَ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ (ع) قَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَرَضَ لِلْفُقَرَاءِ فِي أَمْوَالِ الْأَغْنِيَاءِ فَرِيضَةً لَا يُحْمَدُونَ إِلَّا بِأَدَائِهَا وَ هِيَ الزَّكَاةُ بِهَا حَقَنُوا دِمَاءَهُمْ وَ بِهَا سُمُّوا مُسْلِمِينَ وَ لَكِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَرَضَ فِي أَمْوَالِ الْأَغْنِيَاءِ حُقُوقاً غَيْرَ الزَّكَاةِ فَقَالَ عَزَّ وَ جَلَ وَ الَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ فَالْحَقُّ الْمَعْلُومُ مِنْ غَيْرِ الزَّكَاةِ وَ هُوَ شَيْءٌ يَفْرِضُهُ الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ فِي مَالِهِ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَفْرِضَهُ عَلَى قَدْرِ طَاقَتِهِ وَ سَعَةِ مَالِهِ فَيُؤَدِّي الَّذِي فَرَضَ عَلَى نَفْسِهِ إِنْ شَاءَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَ إِنْ شَاءَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ وَ إِنْ شَاءَ فِي كُلِّ شَهْرٍ وَ قَدْ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَيْضاً- أَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً وَ هَذَا غَيْرُ الزَّكَاةِ وَ قَدْ قَالَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَيْضاً- يُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْناهُمْ سِرًّا وَ عَلانِيَةً وَ الْمَاعُونَ أَيْضاً وَ هُوَ الْقَرْضُ يُقْرِضُهُ وَ الْمَتَاعُ يُعِيرُهُ وَ الْمَعْرُوفُ يَصْنَعُهُ وَ مِمَّا فَرَضَ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَيْضاً فِي الْمَالِ مِنْ غَيْرِ الزَّكَاةِ قَوْلُهُ عَزَّ وَ جَلَ الَّذِينَ يَصِلُونَ ما أَمَرَ اللهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَ مَنْ أَدَّى مَا فَرَضَ اللهُ عَلَيْهِ فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ وَ أَدَّى شُكْرَ مَا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِذَا هُوَ حَمِدَهُ عَلَى مَا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ فِيهِ مِمَّا فَضَّلَهُ بِهِ مِنَ السَّعَةِ عَلَى غَيْرِهِ وَ لِمَا وَفَّقَهُ لِأَدَاءِ مَا فَرَضَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَيْهِ وَ أَعَانَهُ عَلَيْهِ.

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ جل جلالہ نے دولتمند لوگوں کے مال میں فقراء کے لئے ایک حق واجب فرمایا ہے۔اس کے ادا کئے بغیر وہ کسی تعریف کے لائق نہیں ہیں۔

یہ حق زکوٰۃ ہے۔

اس کی ادائیگی سے ان کی جان محفوظ ہوجاتی ہے۔اس کی ادائیگی کے بعد ہی یہ مسلمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔

پھر

اللہ عز وجل نے دولتمندوں کے اموال پر،فقراء کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور حقوق بھی واجب کئے ہیں۔

۱)پروردگار بزرگ و برتر نے ارشاد فرمایا ہے:

"ہمارے نمازی بندوں(کے زکوٰۃ و خمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک "معین حق" ہوتا ہے۔"

یہ "معین حق" زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ یہ وہ چیز ہوتی ہے جو انسان اپنے طور پر اپنے مال میں معین کرتا ہے۔ اسے اپنی استطاعت اور اپنی مالی وسعت و توانائی کے مطابق خود ہی اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔اس واجب کو،اپنی مرضی کے مطابق، روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ اللہ جل جلالہ کی راہ میں نثار کرتا ہے۔

۲)اللہ عز وجل نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

"تم اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں قرض حسنہ کا نذرانہ پیش کرو۔"

یہ بھی زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔اللہ عز وجل نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

۳)اللہ عز وجل نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

"ہم ان کو پاکیزہ رزق عطا فرماتے ہین۔ ہمارے نیک بندے اس میں سے، ہماری ہی راہ میں کھلم کھلا، بے خوف وخطر نیز خاموشی سے، خرچ اور نذر کرتے ہیں۔

۴)اسی طرح (اللہ تبارک وتعالی نے):

"ماعون" (کا ذکر فرمایا ہے)۔

یہ:

وہ قرض ہے جو انسان اپنے دوستوں کو دیتا ہے۔

اپنا سامان جو اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کو عاریتا دیتا ہے۔

وہ نیکی اور بھلائی ہے جو مختلف اوقات میں لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔

۵)ان سب واجبات کے علاوہ اللہ عز وجل نے زکوۃ کے بعد جو واجب فرمایا ہے اس کے بارے میں اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

"وہ ہمارے ایسے نیک بندے ہیں جو ان تعلقات کو استوار رکھتے اور جوڑتے ہیں، جن کو ہم نے استوار رکھنے اور جوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔"

جو،ان فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرے،اس نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔اللہ جل جلالہ نے اس کے مال میں جو نعمت عطا فرمائی تھی اس کا شکر ادا کر دیا۔ اللہ جل جلالہ نے دوسروں کے مقابلہ میں اس کو جو وسعت رزق،فضل اور اپنے فریضہ کی ادائیگی جو توفیق عنایت فرمائی ہے،اس طرح اس نے اس کی حمد وسپاس کا حق ادا کر دیا۔

۱۹۱۹۔عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الْمَغْرَاءِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي عَبْدِ اللهِ (ع) وَ مَعَنَا بَعْضُ أَصْحَابِ الْأَمْوَالِ فَذَكَرُوا الزَّكَاةَ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ (ع) إِنَّ الزَّكَاةَ لَيْسَ يُحْمَدُ بِهَا صَاحِبُهَا وَ إِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ ظَاهِرٌ إِنَّمَا حَقَنَ بِهَا دَمَهُ وَ سُمِّيَ بِهَا مُسْلِماً وَ لَوْ لَمْ يُؤَدِّهَا لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ وَ إِنَّ عَلَيْكُمْ فِي أَمْوَالِكُمْ غَيْرَ الزَّكَاةِ فَقُلْتُ أَصْلَحَكَ اللهُ وَ مَا عَلَيْنَا فِي أَمْوَالِنَا غَيْرُ الزَّكَاةِ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ أَ مَا تَسْمَعُ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ وَ الَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ. لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ قَالَ قُلْتُ مَا ذَا الْحَقُّ الْمَعْلُومُ الَّذِي عَلَيْنَا قَالَ هُوَ الشَّيْءُ يَعْمَلُهُ الرَّجُلُ فِي مَالِهِ يُعْطِيهِ فِي الْيَوْمِ أَوْ فِي الْجُمْعَةِ أَوْ فِي الشَّهْرِ قَلَّ أَوْ كَثُرَ غَيْرَ أَنَّهُ يَدُومُ عَلَيْهِ وَ قَوْلَهُ عَزَّ وَ جَلَ وَ يَمْنَعُونَ الْماعُونَ.

قَالَ هُوَ الْقَرْضُ يُقْرِضُهُ وَ الْمَعْرُوفُ يَصْطَنِعُهُ وَ مَتَاعُ الْبَيْتِ يُعِيرُهُ وَ مِنْهُ الزَّكَاةُ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ لَنَا جِيرَاناً إِذَا أَعَرْنَاهُمْ مَتَاعاً كَسَرُوهُ وَ أَفْسَدُوهُ فَعَلَيْنَا جُنَاحٌ إِنْ نَمْنَعْهُمْ فَقَالَ لَا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ إِنْ تَمْنَعُوهُمْ إِذَا كَانُوا كَذَلِكَ قَالَ قُلْتُ لَهُ وَ يُطْعِمُونَ الطَّعامَ عَلى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَ يَتِيماً وَ أَسِيراً.

قَالَ لَيْسَ مِنَ الزَّكَاةِ قُلْتُ قَوْلُهُ عَزَّ وَ جَلَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهارِ سِرًّا وَعَلانِيَةً.

قَالَ لَيْسَ مِنَ الزَّكَاةِ قَالَ فَقُلْتُ قَوْلُهُ عَزَّ وَ جَلَّ- إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوها وَ تُؤْتُوهَا الْفُقَراءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ قَالَ لَيْسَ مِنَ الزَّكَاةِ وَ صِلَتُكَ قَرَابَتَكَ لَيْسَ مِنَ الزَّكَاةِ.

ابوبصیر کہتے ہیں، ہم لوگ امام جعفر صادق علیہ السلام کیخدمت میں حاضر تھے۔کچھ دولتمند لوگ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ان لوگوں نے زکوٰۃ کی گفتگو چھیڑ دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

زکوٰۃ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے دینے پر زکوٰۃ دینے والے کی تعریف اور تمجید کی جائے۔یہ تو ایسی ظاہری چیز ہے جس کے ادیا کرنے سے، ادا کرنے والے کو جان کی امان ملتی ہے۔وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔اگر کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے ۔اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

یادرکھو!

تمہارے اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت سے واجبات ہیں۔میں نے عرض کی:

اللہ آپ کو سلامت رکھے!

ہمارے اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ کون سے واجبات ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

سبحان اللہ!

۱)تم نے قرآن حکیم میں اللہ عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا؟!

" ہمارے نمازی بندوں(کے زکوٰۃ وخمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک "معین حق" ہوتا ہے۔"

میں نے عرض کی، وہ حق معلوم کیا ہے جو ہم پر واجب کیا گیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ وہ چیز ہوتی ہے جو انسان اپنے طور پر اپنے مال میں معین کرتا ہے۔ اس کو،اپنی مرضی کے مطابق، روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ، کم یا زیادہ، اللہ جل جلالہ کی راہ میں نثار کرتا ہے۔اس پر فخر نہیں کرتا۔کسی سے ذکر نہیں کرتا۔ہمیشہ ادا کرتا رہتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

۲)"وہ" ماعون" سے روکتے ہیں۔"

یہ:

وہ قرض ہے جو انسان اپنے دوستوں کو دیتا ہے۔

وہ نیکی اور بھلائی ہے جو مختلف اوقات میں لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔

اپنا سامان جو اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کو عاریتا دیتا ہے۔

ان واجبات میں سے ایک زکوٰۃ بھی ہے۔

میں نے عرض کی:

کچھ پڑوسی ہیں ۔ان کو اپنے گھر کا سامان عاریت دیتے ہیں۔وہ اسے توڑتے اور خراب کرتے ہیں۔ہم انہیں منع کریں۔گنہ گار ہوں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:
اگر وہ ایسے ہیں، تم ان کو منع کر سکتے ہو۔
میں نے عرض کی ارشاد رب العزت ہے:
۳)" یہ لوگ، اللہ عزوجل کی محبت میں، مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"
امام علیہ السلام نے فرمایا:
یہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔
میں نے عرض کی اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:
۴)" یہ لوگ اپنے اموال سے رات دن، خاموشی سے اور علی الاعلان اللہ جل جلالہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔"
امام علیہ السلام نے فرمایا:
یہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔
میں نے عرض کی اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:
۵)" اگر تم اپنے صدقات کو بتاؤ تو یہ اچھی بات ہے۔ اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء تک پہنچاؤ تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔"
امام علیہ السلام نے فرمایا:
یہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔
نیز،
۶) اعزہ و اقرباء سے صلہ رحم کی خاطر لین دین رکھنا۔
یہ بھی زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔

۱۹۲۰۔ وَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَابِرٍ عن أَبِي عَبْدِ اللهِ (ع) فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَ وَ الَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ- أَ هُوَ سِوَى الزَّكَاةِ فَقَالَ هُوَ الرَّجُلُ يُؤْتِيهِ اللهِ الثَّرْوَةَ مِنَ الْمَالِ فَيُخْرِجُ مِنْهُ الْأَلْفَ وَ الْأَلْفَيْنِ وَ الثَّلَاثَةَ الْآلَافِ وَ الْأَقَلَّ وَ الْأَكْثَرَ فَيَصِلُ بِهِ رَحِمَهُ وَ يَحْمِلُ بِهِ الْكَلَّ عَنْ قَوْمِهِ.

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ عز وجل کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا گیا۔اس میں ارشاد ہوا ہے:

"ہمارے نمازی بندوں (کے زکٰوۃ وخمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک" معین حق "ہوتا ہے۔یہ سوالیوں اور محروم لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔"

کیا یہ زکٰوۃ کے علاوہ ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ وہ مال ہے، جو انسان اپنے مال سے جو (خمس و زکٰوۃ ادا کرنے کے بعد) اللہ عز وجل اسے عطا فرماتا ہے، اللہ جل جلالہ کی راہ میں نکالتا ہے۔یہ ہزار بھی ہوسکتا ہے، دو ہزار بھی، تین ہزار بھی۔اس سے کم بھی اور زیادہ بھی۔

اس کے ذریعہ وہ اس سے صلۂ رحم کرتا ہے یا اپنی قوم کے کسی سنگین بوجھ اتارنے کی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔

اس روایت سے اللہ عز وجل کے ان نیک اور اللہ عز وجل کی خصوصی نے نعمتوں سے سرافراز دولتمندوں کو ایک اہم پیغام دیا گیا ہے۔

> وہ پیغام یہ ہے کہ، علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کی دینی، علمی اورفکری راہنمائی فرمائیں۔ دولتمند اور کامیاب تاجروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کی سر بلندی کے لئے آمادہ رہیں اور اس سلسلہ میں علمای کے ساتھ تعاون کریں۔

۱۹۲۱۔ عَنْهُ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مَحْبُوبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَجَّاجِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ (ع) يَقُولُ إِنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى أَبِي عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ (ع) فَقَالَ لَهُ أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَ وَ الَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ. لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ مَا هَذَا الْحَقُّ الْمَعْلُومُ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ (ع) الْحَقُّ الْمَعْلُومُ الشَّيْءُ يُخْرِجُهُ الرَّجُلُ مِنْ مَالِهِ لَيْسَ مِنَ الزَّكَاةِ وَ لَا مِنَ الصَّدَقَةِ الْمَفْرُوضَتَيْنِ قَالَ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ مِنَ الزَّكَاةِ وَلَا مِنَ الصَّدَقَةِ فَمَا هُوَ فَقَالَ هُوَ الشَّيْءُ يُخْرِجُهُ الرَّجُلُ مِنْ مَالِهِ إِنْ شَاءَ أَكْثَرَ وَإِنْ شَاءَ أَقَلَّ عَلَى قَدْرِ مَا يَمْلِكُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ فَمَا يَصْنَعُ بِهِ قَالَ يَصِلُ بِهِ رَحِماً وَيَقْرِي بِهِ ضَيْفاً وَيَحْمِلُ بِهِ كَلًّا أَوْ يَصِلُ بِهِ أَخاً لَهُ فِي اللهِ أَوْ لِنَائِبَةٍ تَنُوبُهُ فَقَالَ الرَّجُلُ اللهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالاتِهِ.

قاسم ابن عبدالرحمن انصاری کہتے ہیں کہ، میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

ایک شخص میرے والد بزرگوار امام علی ابن حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے امام علیہ السلام سے عرض کی:

مجھے اللہ عزوجل کے اس فرمان کے بارے میں بتائیں:

"ہمارے نمازی بندوں (کے زکوٰۃ وخمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک" معین حق "ہوتا ہے۔یہ سوالیوں اور محروم لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔"

امام علی ابن حسین علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

"حق معلوم" وہ چیز ہے جو انسان اپنے خالص مال میں سے نکالتا ہے۔

یہ نہ تو زکوٰۃ وخمس ہوتا ہے، نہ ہی واجب صدقات میں سے ہوتا ہے۔

اس نے سوال کیا:

اگر، یہ نہ تو زکوٰۃ وخمس ہے، نہ ہی واجب صدقات میں سے ہے، تو پھر یہ کیا ہے؟

امام علی ابن حسین علیہ السلام نے فرمایا:

یہ وہ مال ہوتا ہے جو انسان اپنے خالص اور پاکیزہ مال سے اپنی حیثیت کے مطابق اپنی مرضی سے کبھی کم کبھی زیادہ نکلتا ہے۔

اس نے عرض کی:

وہ اس سے کیا کرتا ہے؟

امام علی ابن حسین علیہ السلام نے فرمایا:

۱)صلہ رحم کرتا ہے۔

۲)مہمانوں کی خدمت کرتا ہے۔

۳)قوم کا کوئی بوجھ اپنے ذمہ لے کرقوم کی گردن سے اتار دیتا ہے۔

۴)اپنے کسی ایسے بھائی کی مدد کرتا ہے جس سے اس کی برادری کا رشتہ صرف اللہ جل جلالہ کی خاطر ہوتا ہے۔

۵)اپنے اوپر آئی ہوئی کسی بلاء کو ٹالنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

یہ سن کر اس نے کہا:

اللہ عزوجل ہی بہتر جانتا ہے، اپنی رسالت کیا ذمہ دار کسے بنائے!

ان اور ان جیسی دوسری حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر نیک مؤمن مسلمان پر زکوٰۃ وخمس کے علاوہ بعض اور بہت سے واجبات بھی ہیں جس کا اسے خیال رکھنا چاہئے۔ ان واجبات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ سائل ومحروم کا حق:

قرآن کریم میں آیا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ. لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ.[1]

"ہمارے نمازی بندوں (کے زکوٰۃ وخمس نکالنے کے بعد ان) کے خالص اور پاکیزہ اموال میں ایک" معین حق "ہوتا ہے۔ یہ سوالیوں اور محروم لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔"

---

[1] سورۂ معارج ۷۰: ۲۴، ۲۵

اللہ عزوجل کی نظر میں محروم سے کون لوگ مراد ہیں؟

اس سوال کے جواب میں ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کتاب الکافی میں" الفروع" کی" کتاب الزکوٰۃ " کے پہلے باب "باب فرض الزکاۃ و ما یجب فی المال من الحقوق" کے ذیل میں،طبع الامیرۃ، بیروت: ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ ج: ۳،ص: ۲۵۹۔ ۲۶۲ پر دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں:

۱۹۲۲۔وَ عَنْهُ عَنِ ابْنِ فَضَّالٍ عَنْ صَفْوَانَ الْجَمَّالِ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ (ع) فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَ جَلَ لِلسَّائِلِ وَ الْمَحْرُومِ قَالَ الْمَحْرُومُ الْمُحَارَفُ الَّذِي قَدْ حُرِمَ كَدَّ يَدِهِ فِي الشِّرَاءِ وَ الْبَيْعِ.

وَ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ وَ أَبِي عَبْدِ اللهِ (ع) أَنَّهُمَا قَالَا الْمَحْرُومُ الرَّجُلُ الَّذِي لَيْسَ بِعَقْلِهِ بَأْسٌ وَ لَمْ يُبْسَطْ لَهُ فِي الرِّزْقِ وَ هُوَ مُحَارَفٌ.

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ جل جلالہ کے فرمان:

"السائل والمحروم"

کے بارے میں سوال کیا گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

محروم ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کوشش کرے لیکن خرید و فروخت (ملازمت) میں نتیجہ نہ نکلے۔

ایک اور روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا۔

امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

المحروم:

ایسا شخص جس کی عقل اچھی طرح کام کرتی ہو لیکن اللہ جل جلالہ کی

طرف سے اس کے لئے رزق میں وسعت عطا نہ ہوئی ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس معین اور لگے بندھے حق یعنی حق معلوم کی تعریف میں فرمایا ہے کہ:

۱۹۱۹۔ "۔۔۔۔ هُوَ الشَّيْءُ يَعْمَلُهُ الرَّجُلُ فِي مَالِهِ يُعْطِيهِ فِي الْيَوْمِ أَوْ فِي الْجُمُعَةِ أَوْ فِي الشَّهْرِ قَلَّ أَوْ كَثُرَ غَيْرَ أَنَّهُ يَدُومُ عَلَيْهِ ۔۔۔"

یہ وہ چیز ہوتی ہے جو انسان اپنے طور پر اپنے مال میں معین کرتا ہے۔ اس کو، اپنی مرضی کے مطابق، روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ، کم یا زیادہ، اللہ جل جلالہ کی راہ میں نثار کرتا ہے۔ اس پر فخر نہیں کرتا۔ کسی سے ذکر نہیں کرتا۔ ہمیشہ ادا کرتا رہتا ہے۔

۲۔ ماعون:

امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ بھی زکات واجب کے علاوہ وہ اخراجات ہیں جو انسان اللہ جل جلالہ کی راہ میں صرف تقرب الٰہی کی خاطر اپنے خالص مال سے:

الف: لوگوں کو قرض الحسنہ کے طور پر دیتا ہے۔

ب۔ وہ نیکی اور بھلائی ہے جو مختلف اوقات میں لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔

ج: اپنے پڑوسیوں کو ان کی ضرورت کے موقعہ پر گھر کا ساز و سامان، برتن، فرنیچر، ڈرائینگ روم وغیرہ، استعمال کے لئے دیتا ہے۔

۳۔ اللہ جل جلالہ کے حضور قرض الحسنہ:

یہ مختلف اوقات میں نیک کاموں کے سلسلہ میں پیش آنے والے وہ مواقع ہیں، جن کا ذکر احادیث و روایات میں نہیں آیا ہے۔

۴۔ اطعام:

ارشادِ ربّ العزت ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔[1]

"اور وہ اللہ جل جلالہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ "اطعام" واجب زکوٰۃ وخمس کے علاوہ ہے۔

۵۔ صلہ رحم:

رشتہ داروں میں ضرورت مند یا آپ سے امید رکھنے والے لوگوں کی مالی اور اقتصادی مدد بھی مومن کے واجبات میں سے ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ زکوٰۃ وخمس سے الگ ایک مستقل واجب ہے۔

۶۔ صدقہ:

صدقہ کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

صاحب حیثیت اور دولتمند مومنین کرام کو ان نکات پر بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

علماء اعلام کا بھی فریضہ ہے کہ وہ صاحبان ثروت و دولت مند کو اس طرح تربیت فرمائیں کہ وہ ان واجبات کو ادا کرنے میں ذوق وشوق سے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ تاکہ یہ ہماری تہذیب کا ایک حصہ اور امتیاز بن جائے۔

آمین بحق محمد وآلہ الطاہرین و برحمتک یا ارحم الراحمین۔۔

---

[1] سورۃ الانسان ۷۶:۸